انوارِ انوری

تذکرہ

امام المفسرین، خاتمۃ المحدثین فی الہند، آیۃ من آیات اللہ

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

از

حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

(تلمیذ حضرت اقدس)

مقدمہ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان

دامت برکاتہم

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ عربیہ احسن العلوم

بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی

انوارِ انوری

تذکرۂ

امام المفسرین، خاتمۃ المحدثین فی الہند، آیۃ من آیات اللہ
حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

از

حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ
(تلمیذ حضرت اقدس)

مقدمہ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی محمد زر ولی خان
دامت برکاتہم

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت
جامعہ عربیہ احسن العلوم
بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب: انوار انوری

تالیف: حضرت مولانا محمد انوری رحمۃ اللہ علیہ

موضوع: احوال و واقعات، تذکرۂ امام المفسرین،
خاتمۃ المحدثین فی الہند، آیۃ من آیات اللہ
حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

طابع: سید محمد حسن طارق

سنہ طباعت: ربیع الثانی، ۱۴۲۵ھ

تعداد: ۱۰۰۰

ناشر

شعبۂ نشر و اشاعت

جامعہ عربیہ احسن العلوم

بلاک ۲، گلشن اقبال، کراچی

فون: ۴۹۶۸۴۵۹، ۴۸۱۸۲۱۰

الانتساب

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت اقدس امام العصر مولانا انور شاہ صاحبؒ کی سوانح پر یہ دوسری کتاب "انوار انوری" منصہ شہود پر آرہی ہے اس سے قبل محترم عبدالرحمن کوندو حنیفہ کشمیری کی کتاب "الانور" جو کتاب انور کے نام سے ہمارے ہاں سے شائع ہو چکی ہے حق تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ جامعہ عربیہ احسن العلوم میں تقریباً ۱۸ سال سے بخاری و ترمذی کے اسباق پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی شاہ صاحبؒ ہی کی برکت ہے کہ باذوق طلباء کی ایک کثیر تعداد متوجہ ہے۔ فی الحال ۳۰۰ طلباء دورۂ حدیث میں مشغول درس ہیں۔ "انوار انوری" جو حضرت شاہ صاحب کے قابل اور وفادار شاگرد حضرت مولانا محمد انوری لائلپوری کی شاہکار تصنیف ہے ان کے فرزند ارجمند کے توسط سے مجھ تک پہنچی میں نے اس نعمت کا اپنی بساط کے مطابق شکر بجالانے کی کوشش کی اور "انوار انوری" کافی حد تک مناسب کاغذ اور طباعت کے ساتھ منصہ شہود پر آرہی ہے خداوند تعالیٰ ہی کا شکر و احسان ہے کہ ہمارے بزرگ دوست حاجی عمر فاروق جو احسن العلوم کے انتظام و انصرام میں ایک وفادار عقیدت مند کی طرح اپنے خزانوں کے ساتھ پیش پیش ہیں، انہی کے اخلاص کی برکت ہے کہ جامعہ عربیہ احسن العلوم کی ایک مقتدر شاخ سیرگاہ روضۂ نازنی پور کی تعمیر و تعلیمات کا سلسلہ رواں دواں ہے برادرم عمر فاروق کے نونہال صاحبزادے حافظ احمد عمر اور حافظ حسن عمر حفظہما اللہ کی معصومانہ دعائے اور جذبہ و ایثار کے ثمر بار نتیجے کے طور پر "انوار

انوری میسر ہو کر علم دین کے قدر دانوں کو پہنچائی جا رہی ہے۔ حق تعالیٰ یہ کوشش قبول فرمائے اور حضرت اقدس امام العصر مولانا انور شاہ صاحبؒ کے رفع درجات اور کتاب میں مذکور جملہ اہل حق کے ایصال ثواب اور ہم تک کتاب پہنچانے والوں کے درجات عالیات اور خود ہمارے لئے سرمایہ ہدایت دنیا اور ذخیرہ مغفرت ونجات ودخول جنت الفردوس بنائے۔ حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر دے برادرم پروفیسر محمد حسن صاحب کو جو حضرت اقدس شاہ صاحب کے عقیدت واحترام میں ایک مثالی مقام رکھتے ہیں کتاب کی تحریر وتصحیح میں شب وروز نہایت جانفشانی کے ساتھ مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ اس انسانی اور ایمانی جدوجہد کو خصوصی قبولیت سے شرف پذیرائی عطا فرمائے۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

والسلام

الاحقر والافقر

محمد زرولی خان عفا اللہ عنہ

خادم جامعہ عربیہ احسن العلوم

وخادم الحدیث والتفسیر والافتاء بہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست انوار انوری

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

الحمد لله رب العلمين و صلى الله وسلم على رسوله الكريم و نبيه الامين، وعلى اله و اصحابه افضل الخلائق بعد النبيين، و من يهديهم اقتدى وبآثارهم اقتفى، من المفسرين والمحدثين و فقهاء الدين، آمين يا رب العالمين. اما بعد!

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے "انما يخشى الله من عباده العلماء"، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح ترین حدیث جو بخاری اور مسلم میں موجود ہے بحوالہ حضرت نعمان ابن بشیرؓ العلماء ورثة الانبياء۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس امت کے اوائل واواخر میں بلکہ ہر دور اور زمانہ میں ایسی گراں قدر ہستیاں پیدا فرمائیں جو ایک طرف خشیت وتقویٰ کے پیکر مجسم تھے تو دوسری طرف علوم وکمالات میں انبیاء کے بعد سب سے بڑا اور آفاقی طبقہ امت کے لئے خیر ورشد کے نفع رسانی کے لئے رہا ہے، حضرات صحابہؓ تو اولئک هم المؤمنين حقا کے مصداق اول تھے ہی جن میں قرآن وسنت پر ایمان رکھنے والا ادنیٰ تردد بھی نہیں کرسکتا بلکہ ان کے بعد بخاری کی اصح ترین حدیث جو "کتاب العلم" میں موجود ہے "مثل ما بعثني الله كمثل الغيث الكثير" (الحدیث) بخاری ج۱، صفحہ ۱۸۔ اس کے ایک حصہ میں

بفحوائے حدیث حضرات محدثین نے فقہاء اور مجتہدین اور اسی طرح حضرات محدثین کا استخراج بھی کیا ہے، اس کی تائید میں نصوص قطعیہ یقینیہ موجود ہیں۔ چنانچہ قرون اولیٰ میں الامام الاعظم امام ابوحنیفہؒ جن کو تابعی یا تبع تابعی کا شرف حاصل رہا ہے اور "راس الاجتهاد والفقه" تسلیم کئے گئے ہیں، ملاحظہ ہو "فصل الختام فی مسئلة الفاتحة خلف الامام"، لمولانا وشیخنا محمد یوسف البنوریؒ۔
اسی طرح ائمہ حدیث میں حضرت امام بخاریؒ اور ان سے پہلے اور ان کے بعد بے شمار محدثین کرام ہوئے ہیں جن پر امت محمدیہ کو فخر حاصل ہے۔

ہندوستان کے دور آخر میں امام العصر، محدث کبیر، فقیہ علی الاطلاق حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ بھی ان نامور ہستیوں میں سے ہیں جن پر اسلام اور اہالیان اسلام دیر تک شکر و فخر کریں گے، آپ کی علمی عظمت، وسعت اطلاع، مدارک مجتہدین کی شناسائی اور اسلامی علوم کے طول و عرض کے وادی سرسبز اور اس سلسلے کے علل اور حکم و اسرار سے جو موہوب ملکات آپ کو حاصل تھے ان کا اعتراف خود آپ کے دور کے محدثین مفسرین فقہاء کرام، جن میں آپ کے اساتذہ اور مشائخ بھی شامل ہیں، کر چکے ہیں۔ بلاد عرب کے انور شاہ شیخ محمد زاہد الکوثریؒ جیسے نابغہ روزگار اور عبقری محدث و فقیہ نے آپ کی صلاحیتوں کو اپنی تصانیف میں جابجا سراہا ہے، ملاحظہ ہو "مقالات

الکوثریؒ"۔ سلطنت عثمانیہ ترکیہ کے سابق شیخ الاسلام شیخ مصطفیٰ صبری نے اپنی کتاب "موقف العقل والعلم والعلماء من رب العلمين" کی چاروں جلدوں میں آپ کا ذکر المحدث الكبير في الهند کے عنوان سے کیا ہے۔ اسی کے ہم عصر مشہور اور نکار فقیہ شیخ بخیتؒ وغیرہ نے آپ کو اپنے زمانے کا امام اور اسلامی علوم پر دستاویز کے درجہ میں تسلیم کیا ہے۔ الازہر کے ایڈیٹر شیخ رشید علی رضا مصریؒ نے مجلہ "المنار" میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ بعض علوم میں سلف سے متقدم ہیں یعنی ان پر فوقیت رکھتے ہیں (جب کہ ان کی اس بات کا حضرت شاہ صاحب نے ان کی موجودگی میں دارالعلوم دیوبند کے جلسہ میں رد فرمایا تھا اور یہ حضرت کا کمال تواضع اور کمال اعتدال فی الرجال تھا)۔ ان حقائق کے جاننے کے لئے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے علوم کے امین، ہمارے استاذ اور شیخ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے نفحة العنبر جیسی عظیم کتابوں میں آشکار فرمایا ہے۔
حضرت کی یہ کتاب "نفحة" اپنے استاذ شاہ انور شاہ صاحب کے حالات پر انسائیکلو پیڈیا تو ہے ہی مگر عربی ادب کے اعتبار سے بھی ابوالعباس مبرد کی الکامل اور الجاحظ کی تبیین اور جار اللہ زمخشری کی اساس البلاغة اور ابن شہاب نویریؒ کی نہایة الارب کے پائے کی کتاب بن چکی ہے، چنانچہ ایک عرب نے "نفحة العنبر" دیکھ کر حضرت

بنوریؒ کو لکھا: قرأت کتابک النفحة فسجدت لبیانک، میں نے آپ کی
نفحة العنبر دیکھی اور اس کی فصاحت و بلاغت کے سامنے احترام کا سر جھکایا۔ خود
حضرت بنوری مرحوم سے میں نے سنا تھا کہ نفحة العنبر لکھنے سے میری عربیت کو
بہت فائدہ ہوا اور اس کے بعد مجھے مزید عربی تحریر یا تقریر میں کبھی گرانی پیش نہیں آئی۔
یہی وجہ تھی کہ مصر کے شیخ الازہر ڈکتور عبد الحلیم محمودؒ نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا کہ
حضرت محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی آپ بہترین شاعر بھی ہیں اور زبردست ناثر بھی،
آپ کبھی اندازے اور تخمینے سے بات نہیں کرتے، آپ کی ہر بات تحقیق اور برہان کی
اساس پر قائم ہوتی ہے، دیکھئے خصوصی نمبر حضرت بنوریؒ پر۔ غالباً ڈاکٹر عبد الرزاق
اسکندر کے مقالے پر شیخ الازہر کا اظہار رائے موجود ہے، اور حضرت بنوری مرحوم
فرماتے تھے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ بدر الدین عینیؒ شارحان بخاری کے بعد
ڈکتور عبد الحلیم محمودؒ دوسرا محقق عالم پیدا ہوا ہے جو سلف صالحین کے منہج پر قائم ہے۔ کسی
نے سچ کہا ہے، ؎

قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری
قدر گل بلبل شناسد قدر دلدل را علی

اور فارسیان نے کہا ہے: ولی را ولی می شناسد۔

بہر حال نفحة العنبر کے بعد بھی حضرت شاہ صاحبؒ پر بے شمار مقالے لکھے
گئے اور مختلف ملکوں کے قدر شناسوں نے آپ پر گراں قدر تحقیقات کر کے ڈاکٹریٹ
کے درجات حاصل کئے۔ بلاد عرب کے آخری محقق اور اہل سنت کے ترجمان جنہیں
حق تعالیٰ نے عرب و عجم میں یکساں قبولیت عطا فرمائی تھی۔ شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے
تقریباً اپنی اکثر تصانیف میں تعلیقات و تحقیقات میں بالخصوص "التصریح فی
ماتواتر من الاحادیث فی نزول المسیح" کے مقدمہ اور تعلیق میں گویا حضرت
شاہ صاحب پر سیر حاصل کلام فرمایا ہے اور یہ شعر لکھا ہے،

بحر العلوم فما بحر یشاکلہ
لو تسبروا الارض لم یوجد لہ شبہ

مقبوضہ کشمیر میں حضرت شاہ صاحب کے قرب و جوار کے ایک قدردان عبد الرحمن
کندو صاحب نے "الانور" لکھی جو کافی حد تک اردو میں لکھی جانے والی حضرت شاہ
صاحب کی سوانح میں سب سے جامع ہے۔ ہمارے بزرگ و محسن محمد میاں کاندھلوی
صدیقی دامت برکاتہم کے توسط سے ایک نسخہ اس عاجز کو پہنچا جسے نئے سرے سے اپنے
مختصر مقدمہ کے ساتھ "نقش انور" کے نام سے شائع کیا جو احسن العلوم کی جلیل القدر
خدمات میں سے ان شاء اللہ تعالیٰ سمجھی جائے گی۔ اس کے علاوہ حضرت کے

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN
محمد زر ولی خان

یوسف بنوریؒ کی صحبت اور تلمذ ہے کہ آپ اپنے شیخؒ کے حوالے جیسے روایات ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اپنے شیخؒ کا ادنیٰ پروردہ ہوں۔ حضرت کے ان حسین تذکار کا ہمارے استاذ محترم مولانا ادریس صاحب میرٹھیؒ جو خود بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے شاگرد تھے حضرت بنوریؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بینات خصوصی نمبر۔

تیسری وجہ جس کا اثر تقریباً تمام اکابر واصاغر علماء دیوبند پر ہے وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے عمیق علوم و دقیق نظر اور فقہ و حدیث میں قابل قدر تعلیقات ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ سے بخاری کی شرح فیض الباری اور ترمذی کی شرح عرف شذی اور معارف السنن اور ابوداؤد کی شرح انوار المحمود میں وہ کام لیا ہے جو حافظ ابن حجرؒ سے فتح الباری میں اور بدرالدین عینیؒ سے عمدۃ القاری میں اور احمد قسطلانیؒ سے ارشاد الساری میں نہیں لیا گیا۔ لہٰذا یوں کہا جائے کہ جن مقامات پر ان کا کلام نہیں ہے یا مختصر ہے وہاں حضرت شاہ صاحب بحر ذخار کی طرح موجیں مارتا ہوا لعل و جواہرات ودیعت فرما گئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر تصنیفات جیسے کشف الستر عن ابواب الوتر اور نیل الفرقدین اور بسط الیدین وغیرہ کتب بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ "فصل

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN
محمد زر ولی خان

الخطاب" اور "خاتمۃ الکتاب" وغیرہ کتب بھی وقت کے محققین کے ہاں سند علم کی جاتی ہیں۔ مگر فتنہ قادیانیت و مرزائیت کے خلاف آپ کے بے شمار مقالات اور اپنے تمام قابل شاگردوں کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کرنا اور خود "اکفار الملحدین" اور "عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ" جیسی کتب جن کے بارے میں وقت کے محققین نے کہا ہے کہ اس کی نظیر اوائل کتب میں موجود نہیں۔ عقیدۃ الاسلام کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ کے قرین محدث اور متکلم اور مفسر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ قرآن کریم کی آیت "انی متوفیک" کے ذیل میں حیات عیسیٰ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظیر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اطال اللہ بقاءہ نے رسالہ "عقیدۃ الاسلام" میں جو علمی لعل و جواہر ودیعت کئے ہیں ان سے متمتع ہونے کی ہمت کریں۔ میری نظر میں اس موضوع پر ایسی جامع کتاب نہیں لکھی گئی"۔ تفسیر شیخ الہند (معروف بتفسیر عثمانی حوالہ پارہ نمبر ۳ سورہ آل عمران حاشیہ نمبر ۲ تفسیر ذیل آیت نمبر ۵۵)۔ پاکستان کے شعلہ بیان مقرر، عوام وخواص کے محبوب خطیب، حق کے داعی اور مسلک دیوبند کے ترجمان شورش

کاشمیریؔ نے خوب کہا ہے ۔

یہ جہان فانی ہے کوئی بھی شے لافانی نہیں
پھر بھی اس دنیا میں انور شاہ کا ثانی نہیں

حضرت اقدس شاہ صاحبؒ سے گہری وابستگی اور حضرت کے ساتھ نسبتوں کی برکات کے نتیجہ میں جامعہ عربیہ احسن العلوم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قائم ہوا اور چند ہی سال سے علماء وطلباء کا بلکہ علماء واولیاء کا مرکز ومعدن بن گیا جس میں بوقت تحریر دورہ حدیث شریف میں ۳۰۰ تین سو کے قریب مسافر طلباء موجود ہیں، یہ سب کچھ حضرت شاہ صاحبؒ سے نسبت کی برکت ہے ۔

گرچہ خوردیم ولے نسبت بزرگ داریم

چنانچہ جامعہ عربیہ احسن العلوم کے بیرونی مرکزی گیٹ پر "بیاد امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ" کے مبارک کلمات درج ہیں۔ یہ اس عاجز وفقیر اور اس کی کمزور و عاجز محنت وکاوش کا ایک عنوان ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت شاہ صاحب سے تعلق ومحبت کے نتیجہ میں پانچ بیٹیوں کے بعد بیٹا دیا جس کا نام بھی بانتخاب علمی اور نسبت علمی وتعلق قلبی وشکر وامتنان "محمد انور شاہ" تجویز ہوا چنانچہ عزیز القدر

سلمان گیلانی دام اقبالہ جب محمد انور شاہ کی ولادت پر مبارک باد دینے آئے جب کہ پورے ملک اور بیرون ملک کے احباب اور قدر شناسوں نے اس موقع پر تہنیت و مبارک باد کے تار دیئے ہیں جو خود حضرت شاہ صاحب کی کرامات کا مظہر ہے۔ چنانچہ سلمان گیلانی مدظلہ جب مبارکباد دینے آئے تو اپنی مادر زاد ملکہ شعر گوئی کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا ۔

انور کے ساتھ اس کی عقیدت ہے دیدنی
گرچہ وہ کاشمیری ہے اور یہ پٹھان ہے
بیٹے کا نام رکھ دیا ہے ان کے نام پر
یہ نام ان کے واسطے تسکین جان ہے

چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ سے عقیدت ومحبت کے مظہر نونہال محمد انور شاہ نے عمر گیارہ سال چند دن پہلے حفظ قرآن کریم مکمل فرمایا ہے جس کی تقریب سعید میں شہر بھر بلکہ ملک بھر کے علماء اور اولیاء کی خوشنودی اور خصوصاً قرآنی دیدنی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ جامعہ عربیہ احسن العلوم سے امام العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحب پر یہ دوسری کتاب حضرت کی مبارک سوانح پر مشتمل شائع ہو رہی ہے۔ امید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

MUHAMMAD ZAR VALI KHAN

محمد زر ولی خان

بے شکر و سپاس کے قدر دان علم کے جوہر شناس علماء، طلباء، بلکہ دین اسلام کے درد و سوز رکھنے والے محسنین و مخلصین اس بہترین و جامع اور مبارک کتاب ''نوادر النوری'' کو سینہ سینے سے لگائیں گے اور لکھنے والے اور نشر و اشاعت کرنے والے اور ان تک پہنچانے والے حضرات خیر کو اپنی مبارک دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔

غرض	نقشیست	کز ما	یاد	ماند
کہ	ہستی	را	نمی بینم	بقائے
ولے	صاحب	دلے	روزے	برحمت
کند	درکار		درویشاں	دعائے

والسلام

وانا الاحقر والافقر

محمد زر ولی خان عفا اللہ عنہ

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہ ایک قطرہ ہے بحر محیط کی بات انوری میں ہے۔ اس لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پورے علوم کا احاطہ کرنا بڑا مشکل کام ہے، ہمارے جیسے ہیچمدانوں کی کہاں وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

خود فرمایا کرتے تھے ہمیں مدت العمر کوئی صحیح مخاطب نہیں ملا، اس کتاب کو آپ حضرات بغور مطالعہ کر کے کچھ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ علوم نوری اتنے بے بہا تھے آپ کی کتاب "ایناس" کا جو مطالعہ کرے حالانکہ وہ مختصر ہے تو پتہ چلے گا کہ گویا ساری عمر رہبانیت میں لگا دی ہے اسی طریقے سے کئی کتابیں ہیں۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ واہل بیتہ اجمعین

حضرت شاہ صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں نسب نامہ یوں تحریر فرمایا ہے: محمد انور شاہ بن (۱) محمد معظم شاہ بن (۲) عبد الکبیر بن (۳) الشاہ عبد الخالق بن (۴) الشاہ محمد اکبر بن (۵) الشاہ حیدر بن (۶) شاہ محمد عارف بن (۷) الشاہ علی بن (۸) الشیخ عبد اللہ بن (۹) الشیخ مسعود الارودی الکشمیری۔

حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد بڑے ہی فقیہ اور عالم دین تھے، ور وقت کے شیخ تھے افسوس کہ میں نے ملک تقسیم ہونے سے قبل بھی حضرت شاہ صاحب کی سیرت پاک لکھی تھی تین سو صفحات سے اوپر ہی تھی، بڑی محنت کی تھی، کشمیر خطوط لکھ کر دریافت کرتا رہا، حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سلیمان شاہ صاحب کے بہت سے خطوط آئے تھے، جو بہت طویل تھے، ان میں حضرت کا اردو کلام بھی تھا اور بہت سے عجیب و غریب واقعات حضرت کے کشف و کرامات کے متعلق تھے، ایک یہ تھا کہ ایک کشمیری جو کہ پاگل تھا حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا تو وہ گزر کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا، حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا، اس کی

حالت درست ہوگئی، بڑی ہی صحت یاب ہوگیا، پھر کبھی ایسی حرکت دیوانوں والی نہیں کی۔ افسوس کہ وہ کاغذات ملک تبدیل ہونے کے وقت وہیں رہیوت ضلع لدھیانہ میں رہ گئے، مسودہ بھی وہیں رہ گیا۔ ایک رسالہ رد قادیانیت میں جو کہ احقر نے لکھا تھا اور حضرت شاہ صاحب نے سفر بہاولپور میں دیکھا تھا اور پسند فرما کر بہت سے علماء کے پاس اس کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور خود حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کے پاس بھی ذکر فرمایا کہ اس نے رسالہ لکھا ہے اور کفریات قادیانی بہ نسبت دوسروں کے مزید جمع کیے ہیں اسی بنا پر احقر سے بہت شفقت فرماتے تھے، وہ بھی وہیں رہ گیا۔ علامہ اقبال نے حضرت کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فرمایا تھا کہ صدیوں نہیں حضرت شاہ صاحب کا نظیر نظر نہیں آتا، خود میں نے حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کیا ہے۔ دار دیوبند میں جب تعزیتی جلسہ ہوا ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو صحیحین زبانی یاد ہیں، اور ایسے بھی میں جانتا ہوں کہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ ہیں مگر جس کو کتب خانے کے کتب خانے ہی حفظ ہوں، وہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کے سوا کوئی نہیں ہے۔ عموماً دیوبند میں مشہور تھا کہ حضرت چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں، اور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین

حضرت شاہ صاحب نے اپنی بعض تصانیف میں اپنا نسب نامہ یوں تحریر فرمایا ہے محمد انور شاہ بن (۱) محمد معظم شاہ بن (۲) عبدالکبیر بن (۳) الشاہ عبدالخالق بن (۴) شاہ محمد اکبر بن (۵) الشاہ حیدر بن (۶) شاہ محمد عارف بن (۷) شاہ علی بن (۸) الشیخ عبداللہ بن (۹) شیخ مسعود النروری الکشمیری۔

حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد بڑے ہی فقیہ اور عالم دین تھے، اور وقت کے شیخ تھے افسوس کہ میں نے ملک تقسیم ہونے سے قبل ہی حضرت شاہ صاحب کی سیرت پاک لکھی تھی جس میں سو صفحات سے اوپر ہی تھی، بڑی محنت کی تھی، کشمیر خطوط لکھ کر دریافت کرتا رہا، حضرت کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا یسین شاہ صاحب کے بہت سے خطوط آئے تھے، جو بہت طویل تھے، ان میں حضرت کا اردو کلام بھی تھا اور بہت سے عجیب وغریب واقعات حضرت کے کشف وکرامات کے متعلق تھے، ایک یہ تھا کہ ایک کشمیری جو کہ پاگل تھا حضرت شاہ صاحب کا ایک جگہ کشمیر میں وعظ ہو رہا تھا تو وہ گڑبڑ کرتا ہوا دوڑ کر حضرت کی طرف آیا، حضرت شاہ صاحب نے ایک تھپڑ مارا اس کی

حالت درست ہوگئی، بڑا ہی صحت یاب ہوگیا۔ پھر کبھی ایسی حرکت دیوانوں والی نہیں کی۔ افسوس کہ وہ کاغذات ملک تبدیل ہونے کے وقت وہیں رایکوٹ ضلع لدھیانہ میں رہ گئے، مسودہ بھی وہیں رہ گیا۔ اور ایک رسالہ ردِ قادیانیت میں جو کہ احقر نے لکھا تھا اور حضرت شاہ صاحب نے سفر بہاولپور میں دیکھا تھا اور پسند فرما کر بہت سے علماء کے پاس اس کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور خود حضرت مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ کے پاس بھی ذکر فرمایا کہ اس نے رسالہ لکھا ہے اور کفریات قادیانی بہ نسبت دوسروں کے مزید جمع کئے ہیں اسی بنا پر حضرت سے بہت شفقت فرماتے تھے، وہ بھی وہیں رہ گیا۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے حضرت کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا تھا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فرمایا تھا کہ صدیوں ہمیں حضرت شاہ صاحب کا نظیر نظر نہیں آتا، خود میں نے حضرت شاہ صاحب سے استفادہ کیا ہے دار دیوبند میں جب تعزیتی جلسہ ہوا، یہ ۱۹۳۳ء کا ذکر ہے حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے تقریر فرماتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ مجھے ایسے لوگ یاد ہیں جن کو حدیثیں زبانی یاد ہیں، اور ایسے بھی میں جانتا ہوں کہ جن کو ایک لاکھ حدیثیں حفظ ہیں مگر جس کو کتب خانہ کے کتب خانے ہی حفظ ہوں، وہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کے سوا کوئی نہیں ہے، عموماً دیوبند میں مشہور تھا کہ حضرت چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں، ور

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے بھی لکھی ہے۔ حضرت مولانا
شبیر احمد اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی زبان پر یہ اکثر آتا رہتا تھا۔
ہائے افسوس کہ وہ بھی مجلسیں تھیں کہ جب حضرت شیخ الہند مالٹا سے تشریف
لائے تو بعد عصر سہ دری کے پاس صحن میں چارپائی بچھائی جاتی تھی، اس پر
گائے کا سالم چمڑا بچھایا جاتا تھا، اس پر حضرت شیخ الہند تشریف فرما ہوتے
تھے اور چارپائی کے اردگرد کرسیاں بچھائی جاتی تھیں جن پر حضرت مولانا
خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
اور حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شبیر احمد
صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا تاج محمود صاحب امروٹی سندھی اور خود
حضرت شاہ صاحب مولانا محمد انور شاہ صاحب تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہ
کوئی کہنے والا یہ کہتا تھا کہ حضرت مہتمم صاحبان تشریف لا رہے ہیں، یعنی
حضرت مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، سابق
مہتمم دارالعلوم دیوبند، پھر آواز آتی کہ حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب
دہلوی بھی تشریف لائے ہیں، اور حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بھی میرٹھ
سے تشریف لائے ہیں۔ ان سب کے لئے بھی کرسیاں بچھائی جاتی تھیں، اور
حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی برابر خدمت میں کھڑے رہتے تھے،
حضرت کے اردگرد علماء و طلبہ کا مجمع اتنا کثیر رہتا تھا کہ تل دھرنے کو جگہ نہ
ہوتی تھی اور خود اپنا مقدمۂ قرآن سنایا کرتے تھے اور لوگ ہمہ تن گوش ہوکر
سنتے تھے۔

پھر حضرت شاہ صاحب بہاولپور تشریف لائے، تو حضرت مولانا
غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بھی جو اس وقت بہاولپور میں تھے تشریف لائے،
حضرت مولانا محمد صادق صاحب دوم مدرس جامعہ عباسیہ بھی وہیں تشریف
رکھتے تھے۔ خود حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب بھی اور حضرت مولانا محمد
شفیع صاحب بھی دیوبند سے تشریف لائے اور سہارنپور سے حضرت ناظم
صاحب عبد اللطیف صاحب مع مولانا اسعد اللہ صاحب تشریف لائے اور
بہاولپور کے بڑے بڑے علماء تشریف رکھتے تھے، اور حضرت شاہ صاحب کوئی
مسئلہ بیان فرما رہے تھے، سب ہمہ تن گوش ہو رہے تھے، کوئی نہیں بولتا تھا۔
جس کوٹھی میں حضرت شاہ صاحب قیام فرماتے وہ کوٹھی بڑی وسیع تھی۔ اور صحن
بڑا فراخ تھا، مگر بعد عصر اس میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہتی تھی۔ کیسی کیسی صحبتیں
آنکھوں کے آگے سے گئیں، دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگیا یک بارگی؟ حضرت
مجذوب صاحب فرماتے ہیں:

بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہو جائے
حال دنیا را بہ پرسیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابست یا بادست یا افسانہ
باز پرسیدم بحال آنکہ دروے دل بہ بست
گفت یا غولست یا دیوست یا دیوانہ

☆☆☆

ہیں، ابھی بقید حیات ہیں اور سلک میں ہیں۔

جناب کی خرابی صحت سے تشویش ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے آپ کا وجود قوم و مذہب کے لئے اس دور میں بہت ضروری ہے، اماں جی کی طبیعت بدستور ہے علاج شروع کرایا گیا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عنایت فرمائے۔

والسلام

انظر شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مربعہ نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر واماندہ آخر طالب منزل شدم
کز کجا بہ سو بسو شام غریباں در رسید

دشت و گلگشت و بہارستان و خارستان بہم
فکر و وہم ہمدم نفس اندر قفس زاد رہم
پیش و پس بانگ جرس از کارواں در ہر قدم
دیدہ عبرت کشودم قصہ نامد پدید

تا سروش غیب از الطاف قدیم یاد کرد
رحمت حق ہمچو من درماندہ را امداد کرد
تا من خیر الوریٰ بہر نجات ارشاد کرد
مقصد ہر طالب حق آں مراد ہر مرید

قبلہ ارض و سما مرآت نور کبریا
سید و صدر علی شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ
شافع روز جزاء وانگہ خطیب انبیاء
صاحب حوض و لوا ظل خدا روز وعید

صاحب خلق عظیم مظہر جود عمیم
آیت رحمت کہ شان او رؤف ست و رحیم
رحمة للعالمین خواندش خداوند کریم
خلق و خُلق و قول و فعل و ہدی و سمت او حمید

دست او بیضا ضیا اجود ترا ز باد صبا
ہذا وقت عطا ابر سخا آب بقا
وقت امر عالمے بر خلق آں رحمت لقا
عام اشہب از جمال طلعتش عید سعید

داغ مہر او چراغ سینہ اہل کمال
شور عشقش در سر عمار و سلمان و بلال
ثبت بر ایمائے وے نعمان و مالک بے خیال
والۂ آثار وے معروف شبلی با یزید

از حدیث وے سر و در جیب اہل اثر
مسلم و مثلش بخاری وقف بر وصل سیر
سنت بیضاء وے نور دل ہر با بصر
اتقیا را اسوۂ اقدام وے تقلید جید

سید عالم رسول و عبد رب العالمین
آں زماں بودہ نبی کآدم بد اندر ماء و طین
صادق و مصدوق وحی غیب و مامون امین

در ہر آں چیزے کہ آورد ست از وعد و وعید

منبر او سدرہ و معراج او سبع قباب
در مقام قرب حق بہ مقدم او فتح باب
کاندر انجا نور حق بود و نبد دیگر حجاب
دید و بشنید آنچہ جز وے کس نشنید و ندید

مدح حاش رفع ذکر و شرح وصفش شرح صدر
او امام انبیاء صاحب شفاعت روز حشر
ہمگناں زیر لوائش یوم عرض و نیست فخر
سید مخلوق و عبد خاص خلاق مجید

اخیر و خیر الوریٰ خیر الرسل خیر العباد
قدوۂ اہل ہدایت اسوہ اہل رشاد
نفحہ از ہمت او خلق را زاد معاد
عالم از رشحات انفاس کریمش مستفید

انتخاب دفتر تکوین عالم ذات او
برتر از آیات جملہ انبیاء آیات او
مشرق صبح وجود ما سوا مشکوٰۃ او
مستنیر از طلعت او ہر قریب و ہر بعید

دین او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ
نطق او وحی سما حقا نجوم اہتدا

صاحب اسرار او ناموس اکبر برملا
علم او از اولین و آخرین اندر مزید

مولدش ام القریٰ ملکش بشام آمد قریب
خاک راہ طیبہ از آثار وے بہتر ز طیب
شرق و غرب از نشر دین مستطابش مستطیب
احمدش خیر الامم بے امتاں بودہ شہید

خاص کردش حق باعجاز کتاب مستطاب
حجت و فرقان و مجموعہ محکم و فصل خطاب
معجزش در براعت ہست برتر ز قاب
حرف حرف او شفا ہست وہدی بہر رشید

الغرض از جملہ عالم مصطفیٰ مجتبیٰ
خاتم دور نبوت تا قیامت بے مرا
افضل و اکمل ز جملہ انبیاء نزد خدا
نعت اوصاف کمال او فزوں تر از عدید

تا صبا گلگشت گیہاں کردہ میباشد مدام
بوئے گل بروزش وے کردہ بعالم صبح و شام
باد بروے از خدائے وے درود و ہم سلام
نیز بر اصحاب و آل و جملہ اخیار عبید

و ز جناب وے رضا بر احقران مستہام

خادم آں احقر کہ افقر ہست از جملہ انام
مستغیث ست الغیاث اے سرور عالم مقام
در صلہ از بارگاہت در نشید این قصید

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

روشن اور حسین مصرعے مولانا کفایت اللہ صاحب مرحوم مفتی مدرسہ امینیہ دہلی جس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں، مولانا کفایت اللہ صاحب کا بہت بلیغ قصیدہ ہے جس میں مدرسہ امینیہ دہلی کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کی تعریف بیان کی گئی ہے اور سولہ صفحے پر ختم ہوا، پہلا شعر ہے:

عرفت اللہ ربی من بعید
فکم بین الالہ والعبید

اصل میں یہ قصیدہ مدرسہ امینیہ ۱۳۲۶ھ کی روئیداد میں چھپا تھا، پھر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں چھپوایا گیا۔

ونختم ذا الکلام بذکر حبر
فقید المثل علام فرید

''اب ہم ایک بڑے عالم کی ذکر پر یہ کلام ختم کرتے ہیں وہ بے نظیر

شہر سے حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کرنے تشریف لائے ہیں، مدرسہ چونکہ مولانا کریم بخش صاحب استاد تھے میں بھی گیا یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، مولانا کریم بخش صاحب تو ملے نہیں حضرت شاہ صاحب کو دیکھا کہ مدرسہ امینیہ کے اندر بیٹھے ہیں اور ذکر جہری سے اللہ اللہ کر رہے ہیں تب میں سمجھا کہ حضرت صوفی بھی ہیں۔ یہ تو حضرت شاہ صاحب نے خود فرمایا تھا بہاول پور کے مقدمہ میں احقر نے ریل گاڑی میں جب امرتسر سے لاہور کو چلے سوال کیا کہ آپ کو اجازت کن بزرگوں سے ہے؟ تو فرمایا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے، ۱۳۱۹ھ میں حضرت نے مجھے حدیث کی سند بھی دی اور بیعت کرنے کی اجازت بھی دی، ویسے تو ہمارا سلسلہ دس پشت سے سہروردی ہے۔ اور مجھے حضرت مولانا معظم شاہ صاحب سے اجازت ہے۔

(ف) حضرت شاہ صاحب عموماً سہروردی سلسلہ میں اور چشتیہ سلسلہ میں بیعت کرتے تھے دونوں حضرات کے ذکر تلقین کرتے تھے۔

۱۳۱۵ھ سے پانچ سال تک دہلی میں رہے۔ پھر والد صاحب کے اصرار پر کشمیر تشریف لے گئے اور بارہ مولا میں مدرسہ فیض عام جاری کیا، غالباً پھر حج کو تشریف لے گئے، خود فرماتے تھے کہ میں مدینہ منورہ پہنچا تو مولانا ظہیر احسن شوق نیموی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دعائے مغفرت ہو رہی تھی۔ مدینہ منورہ مسجد نبوی میں تب معلوم ہوا کہ حضرت نیموی کا وصال ہو گیا، یہ بہت بڑے محدث ہو گزرے ہیں صاحب تصانیف ہیں۔ آثار السنن ان ہی کی ہے۔ اور جامع الآثار مع الانوار وغیرہ ان کے مصنفات ہیں یہ

بزرگ بہت اللہ سے ڈرنے والے صاحب ورع اور صاحب اتقاء تھے، اپنی کتاب آثار السنن جب تصنیف کر چکے تو ایک ایک جز مجھے کشمیر میں بھیجا کرتے تھے۔ (یہ بات مجھے مفتی فقیر اللہ صاحب نے بھی سنائی تھی)

مدینہ منورہ میں روضہ پاک کے پاس مسجد نبوی میں بھی آپ نے (شاہ صاحب نے) درس حدیث دیا۔ اہل مدینہ خصوصاً علماء بہت متوجہ ہوئے اکثر مسائل کا جواب آپ نے ان کو رسالوں کی شکل میں دیا جو علماء دیوبند ان دنوں میں وہاں رہتے تھے۔ انہوں نے کوششیں کیں کہ شب باشی آپ کی مسجد نبوی میں ہو۔

پھر حج سے واپسی پر دیوبند تشریف لائے[1]، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے اور دیگر علماء سے ملے پھر شیخ الہند مولانا حبیب الرحمن مولانا حافظ محمد احمد مولانا احمد حسن امروہی کے باہمی مشورہ سے طے پایا کہ حضرت شاہ صاحب کو تار دیا جائے کہ کشمیر سے دیوبند استاد ہو کر تشریف لائیں۔ جب سے ڈابھیل تشریف لے جانے تک دیوبند ہی رہے۔

(ف) یہ واقعہ حضرت مولانا حبیب الرحمن نائب مہتمم دار العلوم دیوبند نے ۱۳۳۹ھ سنایا تھا جبکہ حضرت شیخ الہند کے وصال پر نو درہ میں جلسہ ہو رہا تھا، حضرت کے استاد حدیث مولانا محدث محمد اسحاق بھی ہیں۔ جو مولانا محمد اسماعیل آلوسی بغدادی کے تلمیذ ہیں۔ وہ اپنے والد صاحب مولانا سید محمد آلوسی صاحب روح المعانی کے شاگرد ہیں ایک استاد مولانا حسین جسر طرابلسی ہیں جو کہ سچے اللہ کے شاگرد ہیں ان کا سلسلہ علامہ شامی اور

---

(۱) یہ واقعہ ہمارے استاد مولانا نصیر احمد صاحب نے ذکر کیا جو ان دنوں دیوبند میں پڑھتے تھے۔

علامہ طحطاوی تک پہنچی ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کے حدیث کے استاذ ہیں۔

☆☆☆

اب آگے حضرت کے کچھ علمی مضامین کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں

۲۔۳۔۴؍دسمبر ۱۹۲۷ء کے جمعیۃ العلماء ہند کے اجلاس پشاور میں صدارت کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

''محترم حاضرین! خدائے قدوس کی قدرت کاملہ نے اگرچہ نظام کی بنیاد تغیر وتبدل پر رکھی ہے اور اس کی تمام تر نظم تقلبات وحوادث سے معمور ہے، جیسا کہ مشہور مقولہ ہے۔

کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

تاہم اس کے نظام کو مصالح کلیہ کے مناسب ایک منتظم لڑی میں منسلک کر دیا ہے اور جملہ مسببات عالم کو سلسلہ اسباب کی وابستگی سے خالی نہیں چھوڑا۔ قدرت کاملہ نے یہ الٹ پھیر اس لئے مقرر کیا ہے کہ اگر عالم میں گونا گوں تغیرات وانقلابات نہ ہوتے اور روز روشن شب تاریک کے ساتھ میدان مسابقت میں اس طرح نبرد آزما نہ ہوتا تو کوئی شخص یہ قدر کا جو بالا وپست تمام موجودات پر حاکم اور اس میں کارفرما ہے قائل نہ ہوتا اور عالم کی یکساں حالت کو دیکھ کر اس کی طبیعت اصلیہ کا نتیجہ سمجھتا اور کبھی نہ جانتا کہ اس

بہترین نظام میں کوئی اور قوت کارفرما ہے۔

خیال فرمایئے کہ اگر آفتاب عالم تاب میں طلوع وصعود، زوال وغروب اور اس کی شعاعوں میں ترقی وتنزل نہ ہوتا اور تاریکی کے بعد نور کا ظہور اور جلوہ گری نہ ہوتی اور نور کے بعد تاریکی نہ آتی اور فضائے عالم ہر وقت نورانی رہتی تو کوئی شخص یہ گمان نہیں کر سکتا تھا کہ عالم کی یہ نورانیت چشمہ خورشید کی مرہون منت ہے بلکہ وہ اس یقین کرنے پر مجبور ہوتا کہ طبیعت عالم ہمیشہ سے اسی طریق پر قائم ہے اور اس کی نورانیت کی مقتضی ہے، بقول قائل

تا بود زمانہ ایں چنیں بود

عارف جامی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ظہور جملہ اشیاء بضد است
ولے حق را نہ ضد است ونہ نداست

اگر خورشید بریک حال بودے
شعاع او بیک منوال بودے

ندانستے کسے کیں پرتو اوست
نہ بودے ہیچ فرق از مغز تا پوست

الحاصل، فطرت الہیہ نے اس لئے عالم کو تغیر وتبدل کے چکر میں ڈال رکھا ہے تاکہ یہ تقلب وتحول اہل بصیرت کے لئے اس بات کی دلیل ہو جائے کہ اس کے تمام تر مظاہر وشئون میں دست قدرت کارفرما ہے۔ اور سطح عالم اس بات پر شاہد ہے کہ اس کا وجود خود بخود نہیں ہے بلکہ کسی دوسری

قوت کا دست نگر اور کسی قوت قاہرہ کا تابع فرمان ہے، عقلاء و حکماء نے عالم کی
اس متضاد حیثیت کو بہت سے دل پسند طریقوں سے بیان کیا ہے۔ خاکسار
نے بھی اس کو ایک قطعہ میں ظاہر کر دیا ہے ۔

جہاں چو نقش و نگارے است از ید قدرت
کہ بہر خویش چو نبود نمود بے بود است
صفات عجز و تسخیر ہر یکے پیدا
بقید سخت دریں قید خانہ مسدود است
نہ خود بخویش کہ برآمدہ ز دست دگر
چنانکہ نقش کہ حیران دیدہ بکشودہ است

یعنی ہستی عالم جو بہ ہمہ خوبی قدرت کے کرشمہ ساز ہاتھوں کا بہترین
نقش و نگار ہے جب کہ خود اپنے سے نہیں ہے تو پھر وہ ایک نمائش اور دکھاوٹ
ہے اس لئے کہ کارخانہ عالم کی تمام اشیاء قدرت میں مسخر اور اس قید خانہ کی
قید سخت میں گرفتار اور عاجز ہیں۔ اس کا وجود اور اس کی ہستی اپنے ہاتھوں
نہیں ہے بلکہ اس کا وجود ایک دوسرے ہاتھ سے کتم عدم سے نکل کر منصۂ شہود
پر اس طرح جلوہ نما ہوا ہے جس طرح کہ تصویر آنکھیں پھاڑے ہوئے ششدر
حیران اپنے مصور و نقاش کا پتہ دیتی ہے لیکن عالم کی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں
کے باوجود اس نظام و ترتیب کا ہونا اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ جہان بہترین
نظم کے ساتھ منظم نہ ہوتا اور اشیاء عالم کے درمیان ارتباط و رشتہ اتحاد قائم نہ
کیا جاتا تو عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب و تصادم کا ایک طوفان برپا ہو جاتا،

اور زمین و آسمان اور تمام اجسام ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ و برباد ہو جاتے
اور عالم کی پیدائش اور وجود میں آنے پر کوئی فائدہ مرتب نہ ہو سکتا۔

حضرات!

مجموعہ عالم جس کو عالم کبیر یا شخص اکبر سے تعبیر کرتے ہیں اس کی
ترتیب و تنظیم کو عالم صغیر یا شخص اصغر یعنی انسان پر قیاس کرنا چاہیے پس جس
طرح شخص اصغر یعنی وجود انسان کا نظم قلب و دماغ اور جوارح کے بغیر قائم
نہیں رہ سکتا کیونکہ کہ تمام ملکات و اخلاق کا حامل و منبع قلب ہے اور معارف
وعلوم کا حامل دماغ اور تمام اعمال و افعال کے مظاہر ترکیب انسانی کی تمام
حرکات پہلے قلب سے اسی طرح صادر ہوتی ہیں جس طرح کہ بادشاہ کی
جانب سے اوامر و فرامین صادر ہوتے ہیں پھر قلب کی اس جنبش کا دماغ پر اثر
پڑتا ہے اور دماغ اس کی صحیح تصویر اور موزوں نقشہ کھینچتا ہے، اس کے بعد
اعضاء و جوارح انسانی اس کے امتثال میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں، گویا
یوں کہنا چاہیے کہ قلب ایک بادشاہ ہے، دماغ اس کا وزیر اور اعضاء اس کے
خدم و حشم ہیں اس نے تمام امور انسانیہ اصلاح و فساد کا مدار قلب پر ہے۔
اسی طرف اشارہ ہے

ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله
واذا فسدت فسد الجسد كله

یعنی جسم انسانی میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب تک وہ صحیح رہتا ہے
تمام جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب اس میں فساد آ جاتا ہے تو کل جسم فاسد

ہو جاتا ہے۔

اور دماغ بجائے مشیر خیر یا شر کے ہے اور اعضاء و جوارح رفیق نیک یا رفیق بد۔ ٹھیک اسی طرح شخص اکبر (مجموعہ عالم) کے لئے بھی قلب اور دماغ اور اعضاء و جوارح ہیں۔ اس شخص اکبر کا قلب تو وہی ہے جس کو اصطلاح شریعت میں ولی امر یا اصحاب حل و عقد سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کا دماغ حکماء و علماء شریعت غرّاء ہیں اور اس کے اعضاء و جوارح عامہ افراد خلق۔

فریضہ تبلیغ

مسائل ضروریہ میں سے ایک اہم مسئلہ فریضہ تبلیغ اسلام اور پیغام توحید و رسالت کا ہے جس کے بغیر بقاء دین متین کسی طرح متصور نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے تبلیغ اور پیغام رسانی کے حق کا یہ اہم فرض صرف اسلام ہی کا حصہ ہونا چاہیے اس لئے کہ دنیا کے مختلف مذاہب میں حق اور صحیح راہ کی تعلیم ایک ہی مذہب دے سکتا ہے۔ اور جو مذہب اپنے اندر خود سچائی اور راستی رکھتا ہو اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ دنیا میں تبلیغ اور پیغام حق کا کام انجام دے۔ لہذا اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس کے ہادی اور پیغمبر نے ہر حرکت و سکون کے وقت خدا کی یاد کی تعلیم دی ہے۔ پیغمبر اسلام کی تعلیم جو آج دنیا میں شرق سے غرب تک پھیلی ہوئی ہے اس کو دیکھنے سے ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ اس ہادی برحق نے اپنی امت کے لئے ایک

وقت بھی ایسا نہیں چھوڑا جس میں بندہ کو خدا کی یاد سے غافل رہنے دیا ہو۔ آپ نے ہر مسلمان کو تعلیم فرمائی ہے کہ کھانے اور پینے کے شروع میں اور اس کے ختم پر اور سوتے وقت اور سونے سے جاگنے اٹھنے پر صبح و شام اور گھر میں داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے وقت اور مسجد میں داخل ہونے اور پھر اس سے باہر آنے کے وقت اور بیت الخلاء میں داخل ہونے اور اس سے خارج ہونے کے اوقات میں اور بازاروں کے جانے کے لئے اور ٹیلوں پر چڑھنے اور اترنے کے لئے اور اس کے علاوہ تمام اوقات میں جو انسان پر گذرتے ہیں، خدائے قدوس کا ذکر کرو اور اس کا نام ہر وقت اور اپنی ہر حالت نشاط و اندوہ میں خدا کو کبھی نہ بھولو۔ اور ارشاد فرمایا ہے کہ جس امر وقیع کو خدا کا نام لئے بغیر شروع کیا جائے وہ ناتمام اور بے کار ہے۔

راہ تو با ہر روش کہ پوید نکوست
ذکر تو بہر زباں کہ گوید خوش است

اب آپ ہی فرمایئے کہ نصاریٰ کس چیز کی تبلیغ عام کے سامنے کریں گے؟ مسئلہ تثلیث کی؟! جس کا یہ حال ہے کہ آج تک وہ اس کی حقیقت خود بھی نہیں سمجھ سکے۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

میرا خیال تو یہ ہے کہ دانایان فرنگ نے جو بالطبع نفع عاجل اور فوری نتیجہ کے طالب اور خواہشمند ہیں جب یہ دیکھا کہ بغیر داموں مفت ثمن خدا ملتے ہیں تو ان کو اس کی خریداری میں کچھ تامل نہ ہوا، اور بغیر کسی پس و پیش

کے بمصداق ''داشتہ آید بکار'' اس کے خریدار بن گئے، ورنہ انہوں نے جو تفنن طبع اور جولانی اس مسئلہ کی تعبیر میں دکھلائی ہے اور تثلیث کو حل کرنا چاہا ہے اور اس کی تنقیح میں وقت صرف کیا ہے اس سے بغیر نقصان کے کوئی نفع اس کے حل کرنے میں ان کو حاصل نہیں ہوا۔ اور بے مغز اور غیر وقیع باتوں کے سوائے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

اور اگر کسی نے کتاب ''العقائد الوثنیۃ فی الدیانۃ النصرانیۃ'' کا مطالعہ کیا ہے تو وہ اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عقائد نصرانیت کے اکثر اصول وثنیوں اور بت پرستوں سے مستفاد ہیں، بلکہ ان مسائل کی تعبیر اور محاورات تک میں یہ امر بداہت کے درجہ میں ثابت ہے۔ اس کے علاوہ مروجہ انجیلوں سے جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد کی تالیف ہیں بلکہ حسب تحقیق آج تک ان کے مؤلفین کا بھی حال معلوم نہیں کیا کوئی مستفید ہو سکتا ہے؟ اور کیا ان سے مذہب وملت کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں جن میں بجز اس کے تم کچھ اور نہ پاؤ گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلاں گروہ کے درمیان سے اس طرح اور لوگوں کی بھیڑ ان کے درپے اس طرح ہوئی اور اس طرح کیا ان چیستاں اور چٹکلوں کی نقل تسلیوں سے کسی عاقل اور محقق کا کوئی کام نکل سکتا ہے یا اس کا کوئی صحیح راستہ مل سکتا ہے؟

نیز اگر آپ ان کلمات پر غور فرمائیں گے جو کہ ان کتابوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور جن کو مقالات

طیبات شمار کیا ہے تو آپ خود بخود دیکھ لیں گے کہ ان میں وہ نورانیت جو وحی الٰہی اور حدیث نبوی میں ہونی چاہیے قطعاً موجود نہیں ہے۔ اور ہرگز کسی طرح یہ ملفوظات مشکوٰۃ نبوت سے نکلے ہوئے نہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے بجز ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کے اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور باقی رہا وہ فرقہ جو مادہ اور روح کو قدیم بالذات مانتا ہے اور اس کو مذہب وملت سے تو کیا خدائے قدوس کی ذات سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس مذہب کے اصول مذکورہ کے ماتحت اگر ہم تحقیق وتدقیق سے کام لیں تو ہستی باری تعالیٰ کا وجود بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا، اس لئے کہ ہستی باری تعالیٰ پر اگر کوئی دلیل قائم کی جاتی وہ یہی ہے کہ سارے کا سارا عالم جو ممکن الوجود ہے غیر کے ہاتھوں قائم ہوا ہے، اور جس کا قیام دوسری قوت کا محتاج نہ ہو۔ اور جب اس گروہ نے مادہ اور روح کو بھی قدیم بالذات مان لیا تو اب کسی قیوم کی کیا حاجت رہی جس کو ہم اور تم خدا کہتے ہیں اور اس ناخواندہ مہمان کو کہاں جگہ دیں گے۔

ممکن ہے کہ اس جگہ پر یہ خدشہ پیدا ہو کہ روح اور مادہ اگرچہ قدیم بالذات ہیں لیکن پھر بھی وہ کسی قیوم بالذات کے اس لئے محتاج ہیں کہ یہ دونوں ناقص ہیں۔ اور ضرورت نظام عالم اس کو مقتضی ہے کہ ان کے لئے ایک ایسا واجب الوجود جو قدیم بالذات کے ساتھ ساتھ تمام صفات میں کامل ہوتا کہ وہ اس سے کام لے۔ تو یہ خدشہ کم عقلی اور نقصان فہم پر مبنی ہے اس لئے کہ یہ کسی طرح عقل میں نہیں آسکتا کہ جو شے قدیم بالذات ہو وہ ناقص بھی

ایک انسان کبھی اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھاتا اور نیچے کر لیتا ہے۔ اور کبھی خاموش کھڑا ہو جاتا ہے، تو وہ ان تمام افعال میں کسی مادہ یعنی لکڑی پتھر وغیرہ کا محتاج نہیں ہے۔ کہ جب تک وہ نہ ہو یہ شخص ان حرکات کو نہ کر سکے۔ ہاں کوئی فاعل مادہ کا محتاج اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا فعل کسی دوسرے فاعل کے مصنوع پر واقع ہو۔ اس کو اس طرح سمجھئے کہ ایک بڑھئی تخت کو بنانا چاہتا ہے تو اس وقت جب کہ وہ تخت کو بنائے گا چار چیزیں موجود ہوں گی، ایک بڑھئی، دوسری نجارت، یعنی اس کا عمل یا فعل جو اس کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ تیسری لکڑی، چوتھی تخت کی وہ صورت و ہیئت جو بننے کے بعد پیدا ہوتی ہے، تو بڑھئی اپنے اس فعل و عمل میں جس کو ہم اس موقعہ پر "جزء" یا "عرض" سے تعبیر کرتے ہیں کسی مادہ کا محتاج نہیں، بلکہ اس کی فاعلیت کے لئے صرف ہاتھ کی حرکت کافی ہے، لکڑی ہو یا نہ ہو البتہ جبکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ لکڑی کا تخت بنا دے تو اس وقت وہ مادہ یعنی لکڑی کا محتاج ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خود لکڑی اس کا مفعول نہیں ہے، اور نہ بڑھئی اس کا فاعل، بلکہ اس کا فاعل دوسری ہستی ہے، اس کا مفعول جیسے کہ ہم بیان کر چکے ہیں صرف اس کی حرکت ہے۔

الحاصل کوئی فاعل جب ان چار چیزوں میں سے دوسری چیز کو پیدا کرے یعنی اپنے فعل کو تو وہ کسی اور چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ فاعل حقیقی اور اس کے مصنوع کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہو سکتی، ورنہ وہ فاعل حقیقی نہیں ہو سکتا ہاں اگر وہ چوتھی چیز بنانا چاہے تو وہ بغیر کسی تیسری چیز کے چوتھی چیز نہیں بنا سکتا، اس لئے چوتھی چیز سے تیسری کا ہونا ضروری ہے

جب آپ اس اہم مقدمہ کو سمجھ گئے اور یہ امر آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو آپ خود بخود سمجھ لیں گے کہ یہ سارے کا سارا عالم خواہ جواہر ہوں یا اعراض فاعل حقیقی یعنی خدائے قدوس کا فعل ہے اور جس طرح انسان اپنی حرکت و سکون بغیر مادہ کے پیدا کر لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عالم کو کتم عدم سے نکال کر موجود کر دیا، اور چونکہ حق تعالیٰ یعنی فاعل حقیقی کے لئے عالم دوسری چیز تھا نہ کہ چوتھی چیز اس لئے وہ تیسری چیز سے قطعاً مستغنی رہا اور اس کو کسی اور شے کی کوئی احتیاج نہ پڑی۔

نیز جب کہ ہر مذہب و ملت اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ بارگاہ صمدیت حدود و زمانہ سے منزہ اور برتر ہے یعنی زمانہ کی حدود میں محدود و محصور نہیں اور اس جناب میں زمانہ معدوم ہے تو پھر اس میں کیا حرج ہے کہ اس طرح یہ تسلیم کر لیا جائے کہ زمانہ بھی سرے سے معدوم تھا اور اس کا وجود عالم کے وجود کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ احقر نے اسی کے متعلق لکھا ہے۔

آنکس کہ با بداع زمان رفت نہ فہمید
کز عمر حق این حصہ مخلوق بہ بخشید
چون واحد حق است بہر مرتبہ باید
نے مرتبہ ذہن کہ یک گشتہ بعدید

وہ شخص کچھ بھی نہ سمجھا جس نے زمانہ کو قدیم سمجھ لیا اس لئے کہ اس نے اپنے عقیدہ کے ماتحت خدائے قدوس کی صنعت قدم کا حصہ زمانہ کے حوالہ کر دیا، جبکہ خدائے قدوس کو واحد مانتے ہو تو پھر اس کی وحدت صحیح معنی

میں جب ہوگی کہ ہر مرتبہ میں اس کو واحد مانا جائے، ورنہ ذاتی مرتبہ میں اس کو
واحد کہنا، اور پھر زمانہ کو اس کی صفت میں شریک بنانا گنتی میں ایک کہنا ہے نہ
کہ حقیقت میں، اور شمار میں تو ہر چیز اسی چیز کے مقابلہ میں اول کہلائی جا سکتی
ہے، قدم تو صفات کمالیہ میں سب سے اونچی اور اعلیٰ صفت ہے، اس میں کسی
کو ماننا عقل و انصاف دونوں سے بعید ہے، اور اگر شبہ کیا جائے کہ اگر عالم کو
قدیم نہ مانے تو خدائے قدوس کا غیر متناہی وقت میں معطل ہونا لازم
آتا ہے تو یہ بھی سوء فہم اور عقل کی نارسائی ہے، وہ وقت صفات ربانیہ میں
وحدت مطلقہ کا ظہور حق تعالیٰ کو تعطیل سے منزہ اور برتر ثابت کرتا ہے، اور یہ
بجائے خود یک عظیم الشان امر ہے عدم تعطیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمام
صفات کے مظاہر موجود ہوں۔

علمائے محققین نے اسی ربط حادث بالقدیم کے مسئلہ میں بہت کچھ لکھا
ہے، چنانچہ عارف جامی جو صوفیائے وجود میں سے بہت جلیل القدر مرتبہ پر
ہیں فرماتے ہیں'

مجموعہ کون را بقانون سبق
کردیم تصفح ورقا بعد ورق
حقا کہ ندیدیم ونخواندیم در و
جز ذات حق وشئون ذاتیہ حق

ہم نے کائنات کی کتاب کو ایک ایک ورق کر کے سبق کی طرح
پڑھا، سچ تو یہ ہے کہ ہم نے ذات حق اور "کل یوم ھو فی شان" کے

مظاہر کے سوا نہ کچھ اس میں دیکھا نہ پڑھا۔

اور مجدد سرہندی کہ صوفیائے شہودیہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں

در عرصہ کائنات با وقت فہم
بسیار گزشتیم بسرعت چوں سہم
گشتیم ہمہ چشم وندیدیم درو
جز ظل صفات آمدہ ثابت در وہم

میدان کائنات میں ہم عقل و فہم و دقت نظری کے ساتھ بہت
دوڑے، اور تیر کی طرح اس میں اس طرح گزرے کہ سرتاپا چشم حقیقت بن
گئے، لیکن بجز صفات کے پرتو اور اس کی پرچھائیں کے اور کچھ بھی نہ حاصل
کر سکے اور وہ بھی ہمیں پوری طرح حاصل نہ ہو سکی۔

اس خاکسار نے بھی اپنی ہیچمدانی کے باوجود بقدر ہمت اس پر کچھ
لکھا ہے۔

مجموعہ کون بود در کتم عدم
از حرف کن آورد پایہ در قدم
فعلے است کہ بے مادہ ید قدرت او کرد
کز ضرب وجودی بعدم نیست قدم

یہ سارے کا سارا عالم پہلے پردۂ عدم میں تھا، اس کے بعد "کن"
کے اشارے سے یہ وجود موجود ہوا، یہ خدائے قدوس کا ایک فعل ہے جو اس
کے دست قدرت سے بغیر مادہ کے ظاہر ہوا ہے، اس لئے کہ گر وجود کو عدم

میں ضرب دیں تو حاصل ضرب قدم نہیں ہو سکتا، بلکہ حدوث ہی نکلے گا یوں
کہیے کہ جب عدم ذاتی ممکن کو وجود واجب ذاتی میں ضرب دیں یعنی اول کا
ثانی سے تعلق اور ربط پیدا کریں تو حاصل ضرب یا نتیجہ تعلق حدوث زمانی کے
سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ خیر یہ ایک طویل بحث ہے اس جگہ تو صرف اس قدر
گزارش کرنا ہے کہ جن مذہب والوں کا یہ حال ہو کہ ان میں توحید کا پتہ اور
نہ ان کے مذہبی اصول کے مطابق خدا کے وجود کا ثبوت ہو سکتا ہے تو پھر وہ کیا
تبلیغ اور پیغام بھی پہنچا سکتے ہیں؟ یہ حق اگر ہے تو فقط مذہب اسلام ہی کو ہے،
خدائے قدوس مسلمانوں کو توفیق نیک عطا فرمائے کہ وہ اس اہم فریضہ کی
طرف پوری قوت سے متوجہ ہوں۔ اور اپنی تمام سعی کو اس کام کے لئے وقف
کریں۔

حضرات!

حقیقتاً اس اہم فریضہ کی اولین خدمت علماء کرام کا حق ہے اور یہ کام
انہیں کے سپرد ہونا چاہیے تھا۔ اور قوم کا یہ فرض تھا کہ وہ علماء کا ہاتھ بٹاتے اور
اس عظیم الشان مقصد کے لئے بدنے یا درمے یا قدمے یا سخنے ہر طرح امداد
کرتے اور اپنے اطمینان کے لئے ان سے برابر حساب لیتے رہتے، مگر
افسوس کہ یہ نہ ہوا اور تقسیم کار کو ترک کر کے ہر شخص اور جماعت ہر ایک کام
میں دخیل ہو جاتی ہے اور نتیجہ بجز انتشار اور پراگندگی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اصول تبلیغ

حضرات!

جو لوگ اسلام کے اس اہم فریضہ کے لئے تیار ہوں ان کو سمجھ لینا
چاہیے کہ پیغام دین متین اور نشر و ابلاغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اخلاق
حسنہ اور ملکات فاضلہ اور خلوص نیت اور فراخ حوصلگی اور حسن مقال اور
راست بازی، شیریں کلامی، وسعت صدر، ایثار، جاں فشانی اور جفاکشی کے
اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں اور ایک لمحہ کے لئے ان کے دل میں حرص
وطمع، غرض نفسانی، ریاکاری، شوق حصول دنیا نہ آنے پائے، ورنہ جو شخص ان
امور کا لحاظ نہیں رکھتا اس کی آواز کسی طرح کارگر نہیں ہوتی اور اس کے کام کا
سامعین پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الحاصل مبلغ کو چاہیے کہ جو کچھ دوسروں کو نصیحت کرتا ہے خود بھی
اس پر کاربند ہو، اگر ایسا نہ کرے گا تو اس کی ہر ایک بات لوگوں کی نظروں
میں دروغ بافی اور بیہودہ سرائی سے زیادہ وقیع نہ ہوگی، خدائے قدوس پیغمبر
برحق حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت کے سلسلہ میں ان کا مقولہ نقل
فرماتا ہے

﴿وما أريد أن أخالفكم إلى ما أنهاكم عنه، إن أريد إلا
الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت وإليه
أنيب﴾

"میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے تم کو منع کرتا ہوں وہ خود کرنے

لگوں، میرا ارادہ تو سوائے اصلاح اور کچھ نہیں، جہاں تک میرے امکان میں ہوگا (اصلاح کروں گا) اور صرف خدا کی طرف سے ہی مجھے توفیق ہوگی اسی پر میں بھروسہ رکھتا ہوں، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں''۔

اور دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے

﴿اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم﴾ کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

﴿یا ایھا الذین آمنوا لم تقولون مالا تفعلون، کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون﴾

ایمان والو ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، خدا کے نزدیک بڑے غصے کی بات ہے کہ جو باتیں نہیں کرتے وہ کہو۔

مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ

ہمارے علماء احناف رحمہم اللہ نے اس معاہدہ متبرکہ کو سامنے رکھ کر دار الحرب اور دار الامن کے بہت سے احکام و مسائل اخذ کئے ہیں۔

فقہائے احناف رحمہم اللہ نے دار الحرب میں عقود فاسدہ کے جواز کا حکم دے کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ دار الحرب اور دار الاسلام کے احکام میں بہت فرق ہے، عقود فاسدہ کے جواز کی اصل ان کے نزدیک یہ آیت کریمہ ہے

﴿فان کان من قوم عدو لکم وھو مؤمن فتحریر رقبۃ مؤمنۃ﴾

یعنی اگر کسی مسلمان مہاجر کے ہاتھ کوئی ایسا مسلمان مقتول ہو جائے جو کہ دار الحرب میں رہتا تھا اور اس نے ہجرت نہ کی تھی تو اس قاتل پر کفارہ واجب ہوگا نہ دیت، اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ اسلام لانے والے کی جان محفوظ و معصوم ہو جاتی ہے، مگر عصمت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عصمت مؤثمہ یعنی ایسی عصمت جس کے توڑنے والے پر گناہ تو ہوتا ہے مگر کوئی بدل واجب نہیں ہوتا۔ دوسری عصمت مقومہ یعنی اس کے توڑنے والے پر اس نفس معصومہ کا بدل بھی واجب ہوتا ہے ہر مسلمان کی جان اسلام لاتے ہی معصوم اور واجب الحفظ ہو جاتی ہے اور مسلمان کے قتل کرنے والے کے لئے حضرت حق تعالیٰ نے نہایت صاف و صریح حکم نازل فرمایا ہے

﴿ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم﴾ یعنی جو شخص کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دے گا اس کی جزاء جہنم ہے۔ اس آیت کریمہ میں جزائے اخروی مراد ہے جو عصمت مؤثمہ کے توڑنے پر واجب ہوتی ہے، اور اسی قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتی ہے اور اس قاتل پر اس مقتول کی جان کا بدلہ یعنی قصاص یا دیت بھی واجب ہوتا ہے جو مقتول کی جان کی عصمت مقومہ توڑنے کی وجہ سے عائد ہوتا ہے، پس اگر مقتول مسلمان دار الاسلام کا رہنے والا تھا تو اس کو عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ دونوں حاصل تھیں اس لئے اس کا اخروی بدلہ جہنم ہے اور دنیوی جزاء قصاص یا دیت ہے، لیکن اگر یہی مقتول مسلمان دار الحرب کا رہنے والا تھا تو شریعت مطہرہ نے اس کے قاتل پر قصاص یا دیت واجب نہیں

کی بلکہ صرف کفارہ واجب کیا، جس سے معلوم ہو کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانیں عصمت مقومہ نہیں رکھتیں۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عصمت مؤثمہ تو صرف اسلام لانے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر عصمت مقومہ کے لئے دار الاسلام اور حکومت و شوکت اسلامیہ کا ہونا شرط ہے۔ اور میرا مقصود اس بحث کو ذکر کرنے سے یہ ہے کہ دار الاسلام اور دار الحرب کے احکام کا فرق واضح ہو جائے اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے ہم وطن غیر مسلموں اور ہمسایہ قوموں سے کس طرح اور کتنی مذہبی رواداری اور تمدنی و معاشرتی شرائط پر صلح و معاہدہ کر سکتے ہیں"(۱)۔

آپ کا حافظہ (یعنی حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کا حافظہ) ضرب المثل تھا، درس حدیث کے وقت کتاب سے حوالہ نکال کر عبارت بلند آواز سے پڑھ کر سنا دیتے تھے، عموماً یہ دیکھا گیا کہ حسبنا اللہ فرمایا اور کتاب کھولی وہی صفحہ نکل آتا تھا، اور شہادت کی انگلی اس عبارت پر ہی پڑتی تھی، جہاں سے حضرت کو حوالہ کی عبارت سنانا ہوتی ناظرین حیران ہو جاتے تھے، بہاولپور کے بیانات میں جب حوالہ نکالتے تو عموماً یہی ہوتا تھا۔

۔ ایک دفعہ بہاولپور ہی میں ابی کی شرح مسلم سے حوالہ نکالنا تھا کتاب ہمارے پاس نہ تھی، قادیانی مختار مقدمہ کے پاس یہ کتاب تھی، حضرت نے فرمایا جج صاحب لکھیئے ان صاحب نے حوالہ دینے میں دھوکہ دیا

---

(۱) یہ طویل اقتباس ص ۲۲ سے شروع ہو کر یہاں ختم ہوا ہے۔ مصحح

ہے یہ کتاب میرے پاس نہیں ہے اس کو کہو عبارت پڑھے، جب اس نے عبارت نہ پڑھی تو آپ نے خود کتاب اس سے لے کر حسبنا اللہ فرمایا اور فوراً حوالہ نکال لیا، وہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ ابی کی عبارت یہ ہے

"وفي العتبية قال مالك بين الناس قيام يستمعون لإقامة الصلاة فتشاهب عمامة فإذا عيسى قد نزل" (ص ۲۶۶، ج ۱، شرح مسلم للأبي مصري اكمال اكمال المعلم)

۲۔ مولانا عبد الواحد صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) احقر کو سناتے تھے کہ جب میں ڈابھیل میں دورہ حدیث میں شامل تھا، میرے چچا صاحب حضرت مولانا عبد العزیز محدث گوجرانوالہ صاحب "نبراس الساری فی اطراف البخاری" کا خط میرے نام آیا کہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر عرض کریں کہ حضرت ہمیں ایک حدیث کی ضرورت ہے۔ الأحكام التي تفارق المرأة الرجل، فرمایا کل کو آنا اس وقت میں مصروف ہوں میں دوسرے دن حاضر ہوا تو مراسیل ابو داؤد سے حدیث نکال کر میرے حوالے فرمائی۔

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مر على امرأتين تصليان فقال إذا سجدتما فضما بعض اللحم الأرض"

اور سنن کبری بیہقی کی کتاب سے بھی حوالہ نکال کر عنایت فرمایا

"إذا سجدت المرأة لصقت بطنها بفخذها كأستر ما

یکون لہا"

۲۔ وہیں بہاول پوری کا قصہ ہے کہ قادیانی شاہد نے حضرت سے سوال کیا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ ہمارا دین متواتر ہے اور تواتر کے اقسام میں سے کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ امام رازی پر کفر کا فتویٰ دیں، کیونکہ فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں علامہ بحر العلوم نے لکھا ہے کہ امام رازی نے متواتر معنوی کا انکار کیا ہے۔

ہمارے پاس اتفاق سے وہ کتاب بھی نہ تھی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جج صاحب لکھیے کہ میں نے بتیس سال ہوئے یہ کتاب دیکھی تھی، اب ہمارے پاس یہ کتاب نہیں ہے، امام رازی یہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث ہے "لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" یہ حدیث تواتر معنوی کے رتبے کو نہیں پہنچی، اس حدیث کے متواتر معنوی ہونے کا انکار فرمایا ہے نہ کہ تواتر معنوی کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔

مولانا عبد اللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارن پور اور مولانا مرتضیٰ حسن صاحب جو اس مجلس میں موجود تھے حیران تھے کہ کیا جواب دیں گے سن کر حیرت میں رہ گئے۔

ان صاحب نے حوالہ پیش کرنے میں دھوکے سے کام لیا ہے اس کو کہو کہ عبارت پڑھے ورنہ میں اس سے کتاب لے کر عبارت پڑھتا ہوں، چنانچہ قادیانی شاہد نے عبارت پڑھی، بعینہ وہی عبارت نکلی جو حضرت نے

پہلے حفظ پڑھ کر سنائی تھی، جج خوشی سے اچھل پڑا۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری بھی اس مجمع میں تھے، حضرت مولانا غلام محمد صاحب کا چہرہ مبارک مسرت سے کھل گیا۔ (یہ حضرت، حضرت مولانا عبید اللہ صاحب کے مربی تھے، اور مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے بھی پیر تھے)

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ جج صاحب یہ صاحب ہمیں متہم کرنا چاہتے ہیں میں چونکہ طالب علم ہوں میں نے دو چار کتابیں دیکھ رکھی ہیں میں ان شاء اللہ مفحم نہیں ہونے کا۔

۳۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری نے ایک اجتماع کیا تھا وہاں حضرت مولانا شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کابر دیوبند سہارنپور مدعو تھے۔ ہزاروں علماء مجتمع تھے۔ قادیانیوں نے کہا کہ ہر دو مناظر عربی زبان میں تقریر کریں گے، حضرت شاہ صاحب بھی مدعو تھے۔ حضرات نے حضرت شاہ صاحب کو تیار کرایا حضرت نے فرمایا کہ دونوں مناظریں عربی اشعار میں اپنا مافی الضمیر ظاہر کریں گے، فی البدیہہ بولنا ہوگا، اور نہ کوئی کتاب اپنے پاس رکھیں گے، وہ لوگ تیار نہ ہوئے۔

یہ قصہ حضرت رائے پوری کو لاہور میں مولانا ابراہیم صاحب میاں چنوں والوں نے بھی سنایا تھا۔ مولانا ابراہیم صاحب اس وقت بہاول پور میں مدرس تھے۔ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن بھی تھے، اور حضرت شاہ صاحب نے خود بھی درس ترمذی میں ہمیں سنایا تھا پھر فرمایا

جاہلین تم نے کیا سمجھا، میں ان شاء اللہ اس پر قادر ہوں۔ حضرت مولانا ابراہیم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ پھر حضرت شاہ صاحب نے عربی زبان میں تقریر فرمائی۔

۵۔ حضرت سے ریل گاڑی میں عرض کیا کہ جب امرتسر سے لاہور کو تشریف لے جا رہے تھے، یہ سفر بہاولپوری ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے۔ کہ شجرہ چشتیہ میں آپ کے نام کے بعد کن بزرگوں کا نام پڑھنا چاہیے؟ فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا۔ اور مجھے اپنے والد (مولانا معظم شاہ) سے بھی سہروردی خاندان میں بیعت لینے کی اجازت ہے۔

۶۔ جب ۱۳۳۸ھ و ۱۳۳۹ھ میں ہم لوگ حضرت کی خدمت میں حدیث پڑھتے تھے ایک مولانا جو کہ معمر تھے حضرت کی ملاقات کے لئے آئے، فوراً فرمایا "ہیر بڈھی ہوئی تاں رانجھا آیا" پنجابی میں فرمایا اور مسکرائے۔ پھر نشانیاں فرما دیے کہ اس قسم کا مکان تھا جہاں آپ دہلی میں قیام پذیر تھے، ایسے ہیوں سے چل کر جانا ہوتا تھا، وہ بزرگ حیران رہ گئے کہ مدت کی بات ہے مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔

۷۔ مالیر کوٹلہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے، مولانا بدر عالم مہاجر مدنی بھی ساتھ تھے۔ پنجاب کے مولانا تاج الدین صاحب

مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ التحصیل مولانا محمد غوث جو مولانا عبد العلی صاحب کی خدمت میں دہلی رہے تھے مولانا عبد الجبار ابوہری مرحوم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب و مولانا محمد صدیق صاحب حصاروی وغیرہم تھے، حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مصنف "شہباز" کی باتیں ہوتی تھیں، حضرت نے فرمایا کہ مولانا نور محمد صاحب کے وصال کو آج اسی سال ہو گئے، مولانا محمد صدیق صاحب نے حساب لگایا تو اسی سال ہوئے تھے نہ کم نہ زیادہ، مولانا نور محمد صاحب کی باتیں خوب یاد تھیں۔

۸۔ فرمایا کہ میں دو سال کی عمر میں اپنے والد صاحب کے ہمراہ مسجد میں جایا کرتا تھا، ایک دن دیکھا کہ دو ان پڑھ نمازیوں میں مناظرہ ہو رہا ہے، ایک کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوگا، دوسرا منکر تھا کہ عذاب روح ہی کو ہوگا جو کہتا تھا کہ عذاب روح اور بدن کو ہوگا اس نے مثال دی کہ ایک باغ میں ایک نابینا دوسرا لنگڑا چوری کے خیال سے گئے لنگڑا کہنے لگا کہ میں ٹانگ سے چل نہیں سکتا نابینا کہتا ہے کہ میں پھلوں کو دیکھ نہیں سکتا، آخر یہ فیصلہ ہوا کہ نابینا لنگڑے کو اپنے کندھے پر اٹھائے اور لنگڑا پھل توڑے، اتنے میں اگر باغبان آ گیا تو وہ دونوں ہی کو گرفتار کرے گا اور سزا کا مستحق قرار دے گا، میں نے یہ بات سن لی پھر ایک زمانہ دراز گزر میں "تذکرۃ القرطبی" دیکھ رہا تھا، اس میں یہی مثال حضرت عبد اللہ بن عباس

رضی اللہ عنہا سے مذکور تھی، میں اس کو پڑھ کر اس ب پڑھ کی فطرت سلیمہ پر حیران رہ گیا کہ کیسا صحیح جواب دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے یہ لدھیانہ میں مارچ ۱۹۲۷ء کو بستان الاسلام کے جلسہ میں فرمایا تھا، لوگ حضرت شاہ صاحب کے حافظہ پر حیران رہ گئے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں عالم آخرت کی ایسی باریک بات یاد رہی۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

۹۔ حضرت مولانا محمد امین صاحب فرماتے ہیں کہ ۱۳۳۴ھ ۱۳۳۵ھ میں جب ہم بخاری شریف حضرت شاہ سے پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی تشریف لائے اور حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث سننے کا شوق ظاہر فرمایا حضرت مولانا محمد احمد صاحب اور حضرت مولانا حبیب الرحمن حضرت تھانوی کے ہمراہ درس کے کمرہ میں تشریف لے آئے نکاح شغار کے متعلق حدیث کا درس ہو رہا تھا وقت چونکہ ختم ہو گیا تھا لہذا حضرت نے کتاب بند کر دی۔

حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے فرمایا کہ شاہ صاحب حضرت تھانوی صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں جناب کا درس سننا چاہتے ہیں حضرت شاہ صاحب نے پھر کتاب کھول لی۔ ڈیڑھ گھنٹہ درس دیا، اگلی حدیث پر بیان فرماتے رہے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا شاہ صاحب یہ علوم وہبیہ ہیں کسبیہ نہیں یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

۱۰۔ جب حضرت شیخ الہند قدس سرہ مالٹا سے تشریف لائے تو حضرت کو فکر تھی کہ یہاں کے علماء اختلاف نہ کریں۔ اس لئے سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب سے انگریزی موالات ترک کرنے اور ان کی ملازمت چھوڑنے پر فتویٰ حاصل کیا۔ احقر کے والد صاحب زیارت کے لئے رائپور سے دیوبند حاضر ہوئے تھے۔ اور حضرت شیخ الہند کے کئی روز مہمان رہے تھے۔ ان ہی ایام میں مسئلہ تحریر فرما کر حضرت شاہ صاحب شیخ الہند کی خدمت میں لائے۔ کوئی دس بجے کا وقت ہو گا گرمی کا موسم تھا، حضرت شیخ الہند کی خدمت میں مولانا احمد اللہ پانی پتی بھی حاضر تھے اور بھی بہت مہمان تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت ادب سے بیٹھ کر مسئلہ سنایا حضرت شیخ الہند کا چہرہ مبارک خوشی اور مسرت سے کھل گیا، احقر مع والد صاحب بھی حاضر تھے۔ درس میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ جان باری جو حضرت شیخ الہند نے دکھائی ہے وہ تو کوئی کیا دکھائے گا ہاں حق ضرور واضح کر دینا چاہیے۔

مولانا ادریس سیکروڈوی مرحوم کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے ان ایام میں ضلع مراد آباد کا دورہ فرمایا تھا مولانا محمد ادریس فرماتے تھے کہ شاہ صاحب اکثر یہ جملہ فرماتے تھے کہ اب مسئلہ واشگاف ہو گیا ہے، اب حق میں حجاب نہیں چاہیے اور یہ شعر فرمایا کرتے تھے

اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

۱۱۔ ان ہی ایام میں قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے چھوٹے بھائی قاری محمد طاہر صاحب مرحوم کا نکاح تھا، حویلی دیوان صاحب (مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ایک عمارت بوسیدہ) کے صحن میں ہزاروں علماء اور صلحاء کا مجمع تھا نکاح کی مجلس تھی۔ حضرت شیخ الہند تشریف فرما تھے میرے والد صاحب بار بار حضرت شاہ صاحب کی طرف دیکھتے تھے کہ سب سے پیچھے خاموش بیٹھے ہیں حالانکہ آپ کے سینکڑوں شاگرد آگے ہو کر بیٹھے تھے تاکہ شیخ الہند کے قریب ہو جائیں۔ حضرت والد صاحب مرحوم حضرت شاہ صاحب کا غایت ادب دیکھ کر حیران رہ گئے۔

۱۲۔ ایک دفعہ کشمیر کو تشریف لے جا رہے تھے بس کے انتظار میں سیالکوٹ کے اڈے پر تشریف فرما تھے، ایک پادری آیا اور کہنے لگا کہ آپ کے چہرے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بڑے عالم دین ہیں؟ فرمایا نہیں میں ایک طالب علم ہوں اس نے کہا کہ آپ کو اسلام کے متعلق علم ہے؟ فرمایا کچھ کچھ۔ پھر اس کی صلیب کے متعلق فرمایا کہ تم غلط سمجھے ہو اس کی یہ شکل نہیں ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر چالیس دلائل دئے۔ دس قرآن سے دس تورات سے دس انجیل سے دس عقلی۔ وہ پادری آپ کی تقریر سن کر کہنے لگا اگر مجھے تنخواہ کا لالچ نہ ہوتا تو میں آپ کی تقریر آپ کا علم میں اس قدر استحضار دیکھ کر مسلمان ہو جاتا، نیز یہ کہ مجھے بہت سی باتیں اپنے مذہب کے متعلق آپ سے معلوم ہوئیں۔ فرمایا جب آپ کو حق معلوم کر کے

بھی توفیق نہ ہوئی کہ ایمان لے آئے تو معلوم ہوا کہ ایمان کی کوئی قدر و قیمت آپ کے ہاں نہیں محض تنخواہ کا لالچ ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون وہ پادری نہایت شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

۱۳۔ مولانا عبدالعزیز محدث گوجرانوالہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں جو اس امر پر کھائی جائے کہ مولانا انور شاہ صاحب اس زمانہ میں بے نظیر عالم ہیں، مولانا غلام رسول انہی والے استاذ رحمہ اللہ نے جب پہلی بار قادیان میں حضرت شاہ صاحب کی تقریر سنی تو فرمایا علم ہو تو انور شاہ والا ہو ورنہ ہمارے علم سے تو جاہل ہی اچھے۔

مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے اس وقت فرمایا تھا یعنی قادیان ہی میں کہ مجسم علم دیکھنا ہو تو شاہ صاحب کو دیکھ لو۔ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے وفات پر دیوبند میں تعزیتی جلسے میں فرمایا تھا کہ میں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہیں ایسے حضرات کو بھی جانتا ہوں جن کو صحیحین حفظ یاد تھیں لیکن ایسا عالم دین کہ کتب خانے کا کتب خانہ ہی سینہ میں محفوظ ہو سوائے حضرت مولانا انور شاہ کے اور کوئی نہیں دیکھا۔

۴۔ علامہ کوثری حضرت شاہ صاحب کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے، عقیدۃ الاسلام کا جدید ایڈیشن مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا مقدمہ دیکھنا چاہیے علامہ زاہد کوثری کی عبارتوں پر عبارتیں نقل کرتے چلے گئے ہیں حضرت شاہ صاحب کی ''عقیدۃ الاسلام'' اور ''التصریح بما تواتر فی نزول المسیح'' یہ دونوں کتابیں علامہ محمد زاہد تعویذ کی طرح اپنے پاس رکھتے تھے۔ یہ حضرت بڑے صاحب کمال حافظ حدیث والفقہ قسطنطنیہ میں ایک بڑے عہدے پر فائز تھے، پھر مصطفےٰ کمال پاشا سے اختلاف کے باعث مصر تشریف لے آئے بڑی نادر تحقیقی کتب کے مصنف ہیں۔

تانیب خطیب میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نقل الفرقدین کی بڑی تعریف کی ہے آپ کو ''العلامۃ البحر الحبر'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکی سے سلسلہ طریقت ملتا تھا۔

علامہ سید سلیمان ندوی صاحب ندوی کا تاثر

۱۵۔ دین و دانش کا مہر انور ۳ صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو دیوبند کی خاک میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا، یعنی مولانا محمد انور شاہ صاحب جانشین حضرت شیخ الہند صدر المدرسین دار العلوم دیوبند۔

دو برس کی علالت بواسیر اور ضعف وقاہت کے ۵۹ برس کی عمر میں وفات پائی، مرحوم کا وطن کشمیر تھا مگر تعلیم سے فراغت کے بعد ایک مدت تک مدینہ منورہ میں اقامت کی پھر واپس آکر استاد کی خواہش اور اصرار سے دار العلوم دیوبند کی صدارت کی ذمہ داری قبول فرمائی، جس کو شیخ الہند کے زمانہ جنگ میں ہجرت کے بعد سے ۱۹۲۷ء تک اس طرح انجام دیا کہ چین سے کر روم تک ان کے فیضان کا سیلاب موجیں مارتا رہا۔ ہند اور بیرون ہند کے سینکڑوں تشنگانِ علم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی۔

مرحوم کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے۔ ان کی مثال اس سمندر کی سی ہے جس کی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قدر خزانوں سے معمور ہوتی ہے۔ وہ وسعت نظر، قوت حافظہ اور کثرت حفظ میں اس عہد میں بے مثال تھے۔ علوم حدیث کے حافظ اور نکتہ شناس، علوم ادب میں بلند پایہ، معقولات میں ماہر، شعر وسخن سے بہرہ مند، زہد وتقویٰ میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی نوازشوں کی جنت میں ان کا مقام عطا کرے کہ مرتے دم تک علم ومعرفت کے اس شہید نے قال اللہ وقال الرسول کا نعرہ بلند کیا۔

مرحوم کو سب سے پہلے ۱۹۰۶ء یا ۱۹۰۷ء میں دیکھا جب کہ وہ اور مولانا حسین احمد مدنی مرحوم عرب سے تازہ وارد ہند ہوئے تھے، مدرسہ دار العلوم دیوبند میں میری حاضری کی تقریب پر طلبہ اور مدرسین کا جلسہ ترتیب پایا۔ جس میں انہوں نے میری عربی تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی تھی۔ پھر جب حاضری ہوتی رہی یا خلافت اور جمعیۃ کے جلسوں میں ملاقاتیں

ہوتی رہیں۔

۱۹۲۷ء میں جب وہ پشاور کے جلاس جمعیۃ العلماء کے صدر تھے میں بھی حاضر تھا، حضرت مرحوم سے ملاقاتوں میں علمی استفادہ کے مواقع ملتے رہے۔ ہر سوال کے وقت ان کی خندہ پیشانی سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ سوال سے خوش ہوئے، اہل کمال کی یہ بڑی پہچان ہے کیونکہ وہ مشکلات سے عبور کر چکتا ہے اور جب اس سے سوال کیا جاتا ہے تو شاید کی اصل منشاء کو سمجھ جاتا ہے، اور جواب دے کر خوش ہوتا ہے۔ مرحوم معلومات کے دریا، حافظ کے بادشاہ اور وسعت علمی کی نادر مثال تھے۔

ان کو زندہ کتب خانہ کہنا بجا ہے۔ شاید کوئی کتاب مطبوعہ یا قلمی ان کے مطالعہ سے بچی ہو، میری تصنیفات میں سے ارض القرآن ان تک پہنچی تھی، اس پر اپنی رضامندی ظاہر فرمائی، مرحوم آخری ملاقاتوں میں زیادہ عربی نصاب کی صلاح پر مجھ سے گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

(معارف ربیع الاول ۱۳۵۲ھ اعظم گڑھ)

۱۶۔ فرمایا قبہ محمودیہ کا کتب خانہ میں نے تمام دیکھا بعض نایاب کتب سے جو سے بھی لکھے بہت یادداشتیں مکہ مکرمہ کے کتب خانہ سے جمع کیں، مغنی ابن قدامہ کا صحیح قلمی نسخہ مکہ مکرمہ میں دستیاب ہوا، اس سے کئی ورق یادداشت کے لکھے۔ حضرت امام محمد بن حسن شیبانیؒ کی "السیر الکبیر" مدینہ طیبہ میں دیکھی قلمی نسخہ تھا، نہایت عمدہ کتابت، اس کا مطالعہ کیا، یاد

داشتیں ہیں، پھر جب ترکی حکومت کو زوال آیا اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات اس کتاب کو ساتھ لے گئے اب بعض شوقین اور علم دوست علماء نے سخت تلاش کیا نہ پایا، یہ کتاب قبہ محمودیہ میں تھی۔

۷۔ حضرت شاہ صاحب کا قیام جب دارالعلوم دیوبند میں تھا مظفر گڑھ پنجاب کے عظیم الشان جلسہ پر تشریف لے گئے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی بھی تھے۔ مولانا ظفر علی خان اور دیگر زعماء قوم بھی مدعو تھے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم بھی تھے، حضرت کی زیارت کے لئے ہزاروں ہزار خلق اللہ جمع تھی، علماء اور زعماء کی تقاریر ہوئیں، حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ نے نام حق کا ایک شعر پڑھا:

غم دین خور کہ غم غم دین است
ہمہ غمہا فروتر از این است

اور اس پر بڑی رقت آمیز و پرتاثیر تقریر فرمائی، خود روئے اور حاضرین کو رلایا

غم دنیا مخور کہ بے ہود است
ہیچ کس در جہاں نیا سود است

علامہ سید سلیمان ندوی پر اس صحبت کا بڑا اثر پڑا، کئی علمی سوالات کئے، اور جوابات سن کر بہت متاثر ہوئے، فرمایا کرتے تھے مولانا محمد انور شاہ صاحب علم کا بحر مواج ہیں، حافظ کے بادشاہ ہیں۔

ظفر علی خان تو حضرت کے چہرے کے عاشق تھے، کہا کرتے تھے جی چاہتا ہے کہ شاہ صاحب کے چہرہ کو دیکھتا رہوں۔

اگست ۱۹۳۲ء میں زمیندار کے ایک شمارہ میں ایک طویل مقالہ حضرت شاہ صاحب کے مناقب وکمالات پر لکھا۔ لکھتے ہیں کہ

"حضرت مولانا انور شاہ صاحب مدظلہ کی نظیر علوم میں خصوصاً علم حدیث میں پیش کرنے سے تمام ایشیا عاجز ہے"۔

مظفر گڑھ کے سفر میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ملتان چھاؤنی کے سٹیشن پر فجر کی نماز سے قبل گاڑی کے انتظار میں حضرت تشریف فرما تھے خدام کا ارد گرد مجمع تھا، ریلوے کے ایک ہندو بابو صاحب لیمپ ہاتھ میں لئے ہوئے آ رہے تھے، حضرت شاہ صاحب کا منور چہرہ دیکھ کر سامنے کھڑے ہو گئے اور زار وقطار رونے لگے اور ایمان لے آئے، حضرت کے دست مبارک پر بیعت کی، کہتے تھے کہ ان بزرگوں کا روشن چہرہ دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام سچا دین ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ﴿ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء﴾ یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مسلک کے حق ہونے میں صریح دلیل ہے۔ علامہ زمخشری کو تاویل کرنا پڑی۔

فرمایا شرک کے معنی کفر مع عبادت غیر اللہ ہیں لہذا وہ تمام انواع کفر سے اخص ہے، اور کفر اس سے عام ہے لیکن آیت مذکورہ بالا میں شرک سے مراد

کفر ہی ہے، کیوں کہ اگر ایک شخص عبادت غیر اللہ کی نہیں کرتا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منکر ہے یا آپ کو خاتم الانبیاء یعنی آخری نبی نہیں مانتا تو وہ بلا شک وبلا خلاف کافر ہے اس کی بھی مغفرت نہیں ہوگی۔ گو وہ مشرک نہ ہو لہذا اس آیت مبارکہ میں شرک کا ذکر اس لئے ہوا کہ وہ لوگ شرک فی العبادۃ بھی کرتے تھے۔

کسی نے پوچھا کہ حدیث بخاری "إذا التقى المسلمان بسيفيهما فالقاتل والمقتول في النار، فقلت يا رسول الله هذا القاتل، فما بال المقتول؟ قال إنه كان حريصاً على قتل صاحبه"۔

اس حدیث میں جو آیا قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جس میں ارشاد ہے "السیف محاء الذنوب" یہ حدیث بھی صحیح ہے اور قوی ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے وہ مقتول مراد ہے جو قاتل کے قتل کا ارادہ نہ رکھتا تھا، ورنہ وہ ہر طرح مظلوم اور شہید ہے۔ یہی صورت ہابیل اور قابیل کے قصہ میں پیش آئی۔ ہابیل نے قابیل کو کہا ﴿إني أريد أن تبوء بإثمي وإثمك فتكون من أصحاب النار﴾ اس کی تفسیر بھی اس شرح سے حل ہو جاتی ہے یعنی میں اس پر راضی ہوں کہ تو اپنے گناہ (قتل) کی وجہ سے جہنمی بنے، اور میرے گناہ تیری تلوار کی وجہ سے محو

ہو جائیں، کیونکہ تلوار محاء الذنوب ہے، کیونکہ جب اس کے گناہ قاتل کی تلوار سے محو ہوئے تو وہی اس کے گناہ لے جانے والا ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ باتیل کے گناہ قابیل پر ڈال دیئے گئے کیونکہ ﴿لا تزر وازرة وزر اخرى﴾ کے خلاف ہے، پھر اس عنوان کو حقیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کو ظلماً قتل کرنے کی غیر معمولی قباحت خوب واضح کر دی جائے تاکہ جو اس کی برائی کو سمجھے گا وہ بچنے کی سعی کرے گا۔

☆☆☆

بیان مقدمہ بہاولپور پانچ دن پانچ گھنٹہ فی یوم

ایمان کے معنی ہیں گرویدن باور کردن، اور شریعت میں انبیاء علیہم السلام جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اس بات کو ان کے اعتماد پر باور کر لینا، اب جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں سے ہے اس طرح کہ آپ سے متواتر ثابت ہو جائے اور خواص سے عوام تک پہنچ جائے، جیسے وحدانیت باری تعالیٰ کی اور رسولوں کی رسالت اور ختم ہونا رسالت کا خاتم الانبیاء پر اور منقطع ہو جانا آپ کے بعد، اور عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ قرب قیامت میں تشریف لانا آپ کے اعتماد پر باور کر لینا ایمان کہلاتا ہے۔

کفر کے معنی ہیں حق ناشناسی یعنی منکر ہو جانا اور مکر جانا کفر کسی اشارے سے بھی ہوتا ہے، جیسے

﴿وإذا قيل لهم تعالوا يستغفر لكم رسول الله لووا رؤسهم﴾ یا یہ تو مانتا ہے کہ جو کچھ دین میں آیا ہے حق ہے، لیکن یہ کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بھی کفر ہے، کیونکہ جس امت نے ہمیں الفاظ پہنچائے اسی نے ہمیں معانی بھی پہنچائے۔ مثلاً نبی علیہ السلام کے خاتم النبیین ہونے میں کسی کا بھی سلف میں سے اختلاف نہیں تھا۔ اب جو کوئی معنی یہ کرے کہ اس کے معنی اجرائے نبوت ہے، یا عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا مثیل آئے گا یہ بھی کفر ہے، ضروریات دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا کرنا جوارح سے ضروری ہو، بلکہ کبھی کوئی شے مستحب اور مباح ہی ہوتی ہے اس کا منکر بھی کافر قرار پاتا ہے۔

تحاصل ضرورت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثبوت شارع علیہ السلام سے قطعی ہو، خواہ وہ حکم حس پر وہ مشتمل ہے نظری ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ عذاب قبر اسکا ثبوت شارع علیہ السلام سے مستفیض ہے، اور کیفیت عذاب ہم سے مستور ہے، لہذا عذاب قبر کا منکر کافر قرار پائے گا۔

فتح الباری میں ہے وفی قصة أهل نجران من الفوائد أن إقرار الكافر بالنبوة لا يدخله في الإسلام حتى يلتزم أحكام الإسلام" (فتح الباری ص: ۷۴۳، ج ۸)

وعند مسلم ص ۸۲ ج ۱ عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال والذي نفس محمد بيده لا يسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار

اور مستدرک ص ۳۴۲، ج ۲ میں ہے عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من أحد يسمع بي من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ولا يؤمن بي إلا دخل النار، فجعلت أقول أين تصديقها في كتاب الله حتى وجدت في هذه الآية ومن يكفر به من الأحزاب فالنار موعده، قال. الأحزاب الملل كلها.

یہ بات تھی جو شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) کے درمیان دائر ہوئی فقال أبو بكر من فرق

بين الصلاة والزكاة، يريد أنه ليس مؤمنا من لم يؤمن بالكل، فشرح الله له صدر عمر أيضا فرأى ما رآه أبو بكر فعند مسلم عن أبي هريرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أمرت أن أقاتل الناس حتى يشهدوا أن لا إله إلا الله ويؤمن بي وبما جئت به، فإذا فعلوا ذلك عصموا مني دماءهم وأموالهم إلا بحقها، وحسابهم على الله

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں دو قاصد مسیلمہ کذاب کے آئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارا بھی وہی عقیدہ ہے جو کچھ مسیلمہ کا ہے؟ ایک نے کہا کہ ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے حالانکہ اذان میں شہدان محمدا رسول اللہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصد قتل نہیں کئے جاتے تو میں تم کو ضرور قتل کر تا۔ یہ قصہ ہو چکا پھر ان میں سے ایک آدمی حضرت عبداللہ بن مسعود کو ملا آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا اب بھی وہی عقیدہ ہے اس نے جواب دیا کہ ہاں آپ نے اسی وقت کھڑے سے اس کا سر قلم کر دیا کہ اب تم قاصد نہیں رہے۔ یہ قصہ ابوداود وغیرہ میں موجود ہے اس پر یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رواج پر عمل کیا، یہ غلط ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا یہ خود ایک قانون ہے۔

وقصة دباء أي القتل عندنا أبو يوسف القاضي ولات

اور انسؓ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا ایک آدمی نے اٹھ کر کہا مجھے تو یہ پسند نہیں، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تلوار نکالی اور اس کے قتل کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے توبہ کی۔

کدو کھانا کوئی ضروری نہیں لیکن اس نے عین حدیث بیان کرتے وقت کہ حضور کو یہ مرغوب تھا اس وقت یہ کلمہ کہا تھا مثلاً جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے اور امت کھاتی چلی آئی یوں کہہ دے مجھے نہیں بھاتا تو کچھ گناہ نہیں لیکن یہ بات کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے اور امت کھاتی چلی آئی اس وقت اگر انکار کرے گا تو قتل کیا جائے گا۔

پھر یہ سمجھو کہ ہمارا دین متواتر ہے، اور دنیا میں کوئی دین متواتر نہیں، تواتر کے یہ معنی ہیں کہ کسی چیز کا ثبوت ہم تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاتار ہوتا آیا اس کو تواتر کہتے ہیں۔ تواتر کئی قسم کا ہوتا ہے، ایک تواتر اسناد جیسے کہ حدیث "من كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" فتح الباری میں یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور حسن اور تیس صحابہ رضوان اللہ علیہم سے ثابت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ختم نبوت کی حدیثیں میرے ایک رفیق نے جمع کیں، وہ کوئی ڈیڑھ سو سے زیادہ ہوتی ہیں جن میں سے تیس صحاح ستہ کی حدیثیں ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کے متعلق میرا ایک رسالہ ہے "التصريح بما تواتر في نزول المسيح" اس میں ستر سے زائد حدیثیں صحیح ہیں، اور میری کتاب "عقیدۃ الاسلام" ہے اس کا حاشیہ تحیۃ

الاسلام ہے۔

تفسیر ابن کثیر ص ۳۵۶ مطبوعہ مصر جلد ۴ میں ہے: قال الحسن قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن عيسى لم يمت، وإنه راجع إليكم قبل يوم القيامة

إنه لعلم للساعة كونه علما لها هو الذي اشتهر في الحديث بالأشراط، فذكره القرآن بكونه علما صار عرف الحديث كونه من الأشراط، وكأنه أخذ من هذا اللفظ من قوله ﴿فقد جاء أشراطها﴾ وإذن ففي الآية بيان الإمكان أولا ثم بيان الوقوع ثانيا، وأخرج عبد بن حميد وابن جرير عن الحسن رضي الله عنه وإنه لعلم للساعة قال نزول عيسى عليه السلام

تابعین اور صحابہؓ بہت کی تفسیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے کرتے ہیں اور متواتر حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں کہ آپ نے خبر دی عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی قیامت سے پہلے إماما عادلا حكما مقسطا

اور ابن کثیر نے دعویٰ کیا ہے احادیث متواتر ہونے کا۔ اور حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں اور فتح الباری میں دعویٰ کیا ہے اور جامع ترمذی میں حوالہ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم دجال کو قتل کریں گے پندرہ صحابیوں کی حدیثوں پر، اور علامہ شوکانی کا ایک رسالہ ہے جس میں انتیس حدیثوں پر اور

لیلۃ الاسریٰ کی حدیث میں ہے جیسا کہ در منثور میں ہے اور بہت سی حدیث کی کتابوں میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور مسند احمد، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ابن جریر، اور حاکم اور اس کی تصحیح کی ہے ذہبی نے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے بعث اور نشور میں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لقیت لیلۃ اسری بی ابراهيم و موسى و عيسى الخ ایسے ہی اجماع منعقد ہو گیا ہے۔ اور نقل کیا ابی نے شرح مسلم میں امام مالک سے جو اجماع کے موافق ہے اور جو ابن حزم کی طرف منسوب ہے وہ بھی غلط ہے، ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں فانہ لا یختلف اثنان فی تکفیرہ لصحۃ قیام الحجۃ بکل ھذا علی کل احد اس کو کافر کہنے میں دو کا بھی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان سب امور کا اثبات سب پر ہو چکا ہے۔

(۲) تواتر کی ایک قسم تواتر طبقہ ہے جیسے کہ تواتر قرآن پاک کا تمام روئے زمین مشرق میں مغرب میں درس اور تلاوت کے ساتھ حفظ وناظرہ اور تجوید کے ساتھ طبقہ بعد طبقہ ایک جماعت نے دوسری جماعت سے پایا تا آنکہ یہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گیا، گو اس کی سند معلوم نہ ہو۔ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں سارے مسلمان شریک ہیں۔

(۳) تواتر کی ایک قسم ہے تواتر تعامل تواتر توارث جیسے مسواک اور کلی اور استنشاق کا تواتر۔

(۴) ایک قسم تواتر کی ہے تواتر قدر مشترک جیسا کہ معجزات کا تواتر اگرچہ ایک ایک معجزہ خبر واحد ہی سے ثابت ہو، مگر ان کا مجموعہ قدر مشترک متواتر ہو گیا ہے یعنی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا صدور ہوا، یہ متواتر ہے۔ بعض لوگ تواتر کو گمان کرتے ہیں کہ وہ قلیل ہے حالانکہ ہماری شریعت میں اس سے اس کا حصر نہیں کر سکتا، پس جب آپ نے یہ سمجھ لیا ہم کہتے ہیں کہ نماز فرض ہے اور اس کی فرضیت کا اعتقاد بھی فرض ہے اس کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ اور نماز کی فرضیت کا انکار کرنا کفر ہے، ایسے ہی مسواک کرنا سنت ہے اعتقاد اس کی سنیت کا فرض ہے اور اس کا انکار کفر ہے اور اس کا ترک کرنا عتاب ہے یا عقاب۔

(۵) تواتر کی ایک قسم تواتر معنوی بھی ہے۔ تواتر کی کسی ایک قسم کا منکر کافر ہے۔

مرزا غلام احمد نے تواتر کی تمام اقسام کا انکار کیا ہے اس پر مرزائیوں کے نمائندے نے اعتراض کیا کہ تواتر تو مولویوں کی بنائی ہوئی اصطلاح ہے پھر اس کا منکر کیسے کافر ہو گیا۔ حضرت نے جواب فرمایا کیا تم اس بات کو مانتے ہو کہ یہ قرآن مجید جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہی ہے جو نبی علیہ السلام پر نازل ہوا، اور ہم تک اسی حالت حفاظت میں چلا آیا، اس حالت حفاظت کا نام تمہارے ہاں کیا ہے؟

پہلے تو مرزائی بہت چکر یا پھر کہنے لگا ہم اس کو تواتر کہتے ہیں، فرمایا یہی تو میں کہہ رہا تھا (مرزا غلام احمد نے تو کفار کے تواتر کو بھی تسلیم کیا ہے)

پھر جو چیزیں تواتر سے ثابت ہوں جیسے ختم نبوت اور نزول عیسیٰ علیہ السلام چنانچہ پہلے گذرا ہم انکار کرنے والے شخص کو بالاجماع کافر کہیں گے

اربعین میں غلام احمد نے تمام انبیاء علیہم السلام کے ناموں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حتی کہ یوں کہا ہے کہ میں محمد بھی ہوں، پس ان کے کلمہ پڑھنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے کیونکہ محمد رسول اللہ سے غلام احمد کی مراد اپنی ذات ہے، مرزا صاحب نے بہت سے اسماء کا مسمی بدل دیا ہے اور بہت سے مسمی کے مصادیق کے بدل دئے غرض اسلامی لٹریچر بدل دیا۔

امت کا اجماع ہے کہ اس آدمی کی تکفیر کی جائے گی جو آدمی اس حکم کا جو دین میں بالضرور معلوم ہے انکار کرے، اور اس کی ردت کا حکم کیا جائے پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین قیم تمام لائے ہیں کسی کو کوئی حق نہیں کہ آپ پر استدراک کرے، اور آپ کے دین کو آپ کے بعد کامل کرے۔ پس اسلام اور ایمان اسی کا نام نہیں کہ اس کے ساتھ چمٹا رہے بلکہ تصدیق اور عمل کا نام ہے۔

(ایثار الحق علی الخلق للمحقق الشہیر حافظ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی ص ۴۱۵)

یہ جان لو کہ اصل میں کفر جان بوجھ کر تکذیب کرنا ہے کسی چیز کی اللہ کی کتابوں سے یا کسی کی اللہ کے رسولوں سے۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کلمہ کفر کہے ہازلا یا لاعب اس کی تکفیر کی جائے گی۔ (رد المحتار عن البحر) جیسا کہ غایہ

میں ہے اگر انبیاء کے متعلق یہ اعتقاد ہے کہ نبوت کے وقت اور اس سے قبل انبیاء کو معصوم نہیں جانتا اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ یہ رد نصوص ہے۔

جامع الفصولین میں ہے اگر کسی نے کلمہ شہادت علی وجہ العادت کہا تو اسے کچھ نفع نہ دے گا جب تک کہ جو کہا تھا اس سے نہ لوٹے کیونکہ کلمہ شہادت سے اس کا کفر رفع نہیں ہوتا۔

ابن حزم کی کتاب الفصل میں ہے جو چیز بالاجماع ثابت ہو کہ رسول اللہ نے یہ چیز کی تھی پھر کوئی اس کا انکار کرے بالاتفاق اسے کافر کہا جائے گا اور جو آدمی استہزا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا کسی فرشتے سے یا اس کے انبیاء میں سے کسی نبی سے یا قرآن پاک کی کسی آیت سے پس وہ کافر ہے۔

قاضی عیاض کی شفا کی شرح صفحہ ۳۹۳ جلد ۲ میں ملا علی قاری نے فرمایا ہے اجمع عوام اهل العلم ان من سب النبي صلى الله عليه وسلم يقتل، قال محمد بن سحنون اجمع العلماء على ان شاتم النبي صلى الله عليه وسلم المتنقص له كافر، ومن شك في كفره كفر۔

اگر کسی شخص نے کہا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ آپ بشر ہیں یا فرشتہ، یا جنات میں سے ہیں یا کہ میں نہیں جانتا کہ آپ عربی ہیں یا عجمی تو اس کے کفر میں کوئی شک نہیں، کیونکہ قرآن پاک کو اس نے جھٹلایا۔

اور حافظ ابن تیمیہ نے کتاب الصارم المسلول ص ۵۹ پر لکھا ہے

کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ﴿لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم﴾ یہ نہیں فرمایا کہ تم ﴿إنما کنا نخوض ونلعب﴾ کہنے میں جھوٹے ہو بلکہ ان کے خوض اور لعب پر ان کی تکفیر کی وہ وہ ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

تاریخ ابن عساکر میں ہے تمیم داری کے ترجمے میں کہ قبر میں سوال ہوگا خاتم الانبیاء کے متعلق۔

قرآن پاک نے ان کا نام رکھا ملحد ہیں، اور حدیث پاک میں اس کو باطنیت سے پکارا اور علماء نے ان کو زندیق کہا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إن الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا﴾ امام ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں وکذلک الزنادقة الذین یلحدون وقد کانوا یظهرون الاسلام

ابن عباس نے فرمایا یضعون الکلام فی غیر موضعه

مرزا غلام احمد نے انبیاء کی توہین اس قدر کی ہے کہ جس کو سن کر جگر شق ہوتا ہے۔ خصوصاً حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اس سے جو کسی کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاتا ہو وہ زیادہ خطرناک ہوتا ہے مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی نے کئی جگہ کسی اور کا نام لکھ دیا ہے۔ میرا ایک قصیدہ ہے اس میں شعر ہے

تفکه فی عرض النبیین کافر
عتل زنیم کان حق مهان

یلذ له بسط المطاعن فیهم
ویجعل نقلا عن لسان فلان
فشانئ شان الانبیاء مکفر
ومن شک قل هذا لأول ثان

جیسا کہ بہار دانش میں حکایت ہے وہ حکایت بازاری ہے جب اس کو معلوم ہوا جب پتہ چلا وہ کیسی مٹھاس رہا ہے تو اس سارے قصے کو خوب بتا دیا۔

وهذا کمن وافی عدوا یسبه
بمجمع اشد السب من شنان
فصیره رزیا وقال بآخر
إذا نفحت عنی من الخفقان

حضرت شاہ صاحب کا بیان قادیانیوں کے خلاف ہو رہا تھا تو آپ نے دوران تقریر میں یہ بھی فرمایا تھا کہ مرزا صاحب نے انبیاء علیہم السلام کی توہین کی ہے جو صراحۃً کفر ہے۔ والعیاذ باللہ

اس پر قادیانیوں کے نمائندے نے کہا کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنے مرشد کی وفات پر کہا تھا کہ

مردوں کو زندہ کیا، زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم

اس شعر میں مولانا محمود الحسن صاحب نے صریح توہین حضرت عیسیٰ

علیہ اسلام کی کی ہے، پھر آپ ان کو کافر کیوں نہیں کہتے۔ یہ سن کر مولانا مرتضی
حسن نے فرمایا کہ یہ حضرت کا شعر نہیں ہے، حضرت شاہ صاحب نے جواب
دیا کہ شعر تو حضرت مولانا کا ہے جو صاحب لکھو میں جواب دیتا ہوں،
حضرت مولانا اس شعر میں اپنے شیخ کے لئے داد مانگ رہے ہیں کہ حضرت
عیسی علیہ اسلام تشریف لائیں اور میرے شیخ کے کارنامے کو ملاحظہ فرمائیں
اور داد دیں جیسے چھوٹے بڑوں سے داد مانگا کرتے ہیں۔ چونکہ آپ تشریف
لانے والے ہیں، اسی واسطے آپ ہی سے داد بھی لینا ہے۔

ضروریات دین میں اتنا سقتا ہے، فتح الباری میں ہے کہ حدیث
معاذ رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ
کو فرمایا أيما رجل ارتد عن الإسلام فادعه فإن عاد وإلا
فاضرب عنقه.

روافض کے اکفار میں اختلاف ہے علامہ ابن عابدین شامی عدم تکفیر
کی طرف ہیں، اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اکفار کرتے ہیں، ہمارے
نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ اصل میں جو ابتلاء حضرت عبد العزیز کو پیش آیا وہ
علامہ شامی کو پیش نہیں آیا، مسئلہ کا اختلاف نہیں ابتلاء کا ہے۔ ویسے ہمارے
نزدیک حضرت شاہ عبد العزیز صاحب علامہ شامی سے فقیہ ہیں اور حضرت
گنگوہی کو بھی ہم نے شامی سے فقیہ النفس پایا۔

ایک دفعہ فرمایا۔ جو حدیث میں آیا ہے من قام ليلة القدر

إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه (بخاری) اس کی شرح
کے وقت مسند احمد کی یہ روایت بھی پیش نظر رکھنی چاہئے من هم بحسنة
كتب له عشر حسنات إذا أشعر به قلبه وحرص به یہ اشعار
قلب اور حرص ثواب ہی میرے نزدیک احتساب ہے جو نفس نیت پر یک امر
زائد ہے، نیت پر بھی ثواب ملتا ہے اور احتساب پر ثواب مضاعف
ہو جاتا ہے گویا احتساب نیت کا اخص رہے، فرمایا أو كسبت في إيمانها
خيرا میں او بمعنی واو ہے، چنانچہ علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں یہی
لکھا ہے اور ابوداود کی روایت میں تو واو ہی آیا ہے۔

معتزلہ نے تقدیر عبارت اس طرح نکالی ہے لا ينفع إيمانها
لم تكن آمنت من قبل أو آمنت ولم تكن في إيمانها خيرا
تاکہ مقابلہ صحیح ہوسکے، اس کا جواب کلیات میں ابی البقاء نے بھی دیا ہے،
ابن حاجب نے بھی جواب دیا ہے اور حاشیہ کشاف میں علامہ طیبی اور ناصر
الدین نے ذکر کیا ہے اور ابن ہشام نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ میرے
نزدیک یہاں "او" دو چیزوں میں منافات کے لئے نہیں ہے بلکہ مقصد ایمان
اور کسب خیر دونوں کی نفی ہے۔

فرمایا حضرت حکیم بن حزام سے مسلم شریف میں مروی ہے کہ انہوں
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اسلام سے پہلے جو
طاعات میں نے کی ہیں ان سے کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا

اسلمت علی ما اسلفت من خیر تم اپنے سابق اعمال خیر کے ساتھ تو مسلمان ہوئے ہو یعنی اسلام کی برکت سے تمہارے وہ اعمال خیر بھی قائم رہے اور اس وقت کی طاعات بھی نیکیاں بن گئیں۔

فرمایا مجھے اس بات کا یقین ہو گیا کہ کفار کی طاعات وقربات ضرور نفع پہنچاتی ہیں کیونکہ ان میں نیت اور معرفت خداوندی ضروری نہیں۔ طاعات وقربات سے مراد صلہ رحمی، تحمل، بردباری، غلام آزاد کرنا، صدقہ، رحم وکرم، جود مروت، بخشش دینا، عدل وانصاف ہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ کفار کے اعمال خیر بغیر اسلام کے نجات اخروی کا سبب نہیں بن سکتے۔ نہ وہاں کے ثواب ونعمت کا مستحق بنائیں گے۔ البتہ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے تخفیف عذاب کا سبب بن سکیں گے، اسی لئے علماء نے بالاتفاق فیصلہ کیا کہ عادل کافر کے عذاب میں بہ نسبت کافر ظالم کے تخفیف ہوگی۔ چنانچہ ابوطالب نے جو خدمات انجام دی تھیں ان کا فائدہ صراحتاً احادیث میں مذکور ہے۔

فرمایا یہ جو حدیث ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا احسن احدکم اسلامہ فکل حسنة یعملها تکتب له بمثلها (بخاری)

میرے نزدیک احسان اسلام یہ ہے کہ دل سے اسلام لائے اور زمانہ کفر کے تمام برے اعمال سے توبہ کرے، اور اسلام کے بعد ان سے بچنے کا عزم صمیم کرے۔ ایسے شخص کے تمام گناہ بخشے جائیں گے۔

اور اساءۃ اسلام یہ ہے کہ اسلام لائے مگر زمانہ کفر کے تمام معاصی سے توبہ نہ کرے اور ان کا ارتکاب برابر کرتا رہے، ایسا شخص اگرچہ اسلام میں داخل ہو گیا اس سے تمام اگلے پچھلے معاصی کا مواخذہ ہوگا، پس جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ اسلام گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اس سے مراد وہی صورت ہے کہ گناہوں سے توبہ بھی شامل ہو (من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه)

☆☆☆

ایک دفعہ غالباً ۳۴۸ھ بیروں کا موسم تھا، راقم الحروف دیوبند حاضر ہوا حضرت شاہ صاحب بھی ڈابھیل سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت صحن میں چارپائی پر تشریف فرما تھے، مولانا مشیت اللہ صاحب اور بہت سے مہمان بیٹھے تھے۔ کمال مہربانی فرمائی، ہمیں دیکھتے ہی چارپائی سے اٹھ کر ننگے ہی پاؤں ہماری طرف تشریف لائے اور مصافحہ فرمایا، پھر مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ان کو بیر کا چھلکا اتار کر عنایت فرما رہے تھے، ایک طبق ہماری طرف بھی رکھ دیا اور ایک طالب علم کو فرمایا کہ ان کو چھیل کر کھلاؤ، اور دوسرے طالب علم کو جیب مبارک سے ایک روپیہ نکال کر دیا اور فرمایا کہ بکری کا عمدہ گوشت بازار سے لاؤ پھر گھر کے اندر

تشریف لے گئے۔

مولوی محفوظ علی صاحب فرماتے تھے کہ گھر میں حضرت فرما رہے تھے کہ بہت معزز مہمان آئے ہیں کھانا عمدہ پکائیے، پھر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دونوں کرے ہاں قرضیوں کے لئے آئے اتنی تکلیف کیوں اٹھائی، اگر کوئی شے لانا ہی ہو تو میری چیز لے آیا کرو، میرے ہاں محبت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بہت تھوڑی چیز لانا چاہیئے۔

پھر فصل الخطاب کے متعلق میں نے تذکرہ شروع کردیا کہ ایک صاحب نے اس کا جواب لکھا ہے بڑی ہی تعلّی دکھائی ہے۔ فرمایا جب عناد پر کوئی اتر آئے تو اس کا کیا علاج ہے۔ عصر کے وقت مولانا مشیت اللہ چلے گئے ہم سب نماز کے لئے قریب ان مسجد میں چلے گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے خود امامت کرائی۔ اسی طرح سب نمازوں میں خود ہی امام بنے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کی اقتداء میں کئی نمازیں نصیب کردیں۔

دوسرے دن بعد نماز فجر ہی ہمیں جگایا، اور بڑی شفقت فرمائی، میں نے بعض عبارت فصل الخطاب کا مطلب پوچھا نہایت خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے جواب عنایت فرماتے رہے، اس پر بڑے خوش ہوئے کہ اس کو کتاب پر نظر ہے۔ پھر فرمایا آپ ذرا لیٹ جایئے یہ کمبل ہیں ان کو نیچے بچھا لیجئے، خود اپنے دست مبارک سے عنایت فرمائے ہم نے تبرک سمجھ کر تکیے کے نیچے رکھ لئے پھر دوپہر کو کھانا پرتکلف بھیجا، مولانا محفوظ علی اور

مولانا محمد ادریس سکروڈوی، اور کئی ایک مہمانوں نے مل کر کھانا کھایا۔

پھر بعد ظہر میں نے عرض کیا کہ ساتھی کو بیعت فرمالیں نہایت شفقت سے قبول فرمایا، اور دوازدہ تسبیح چشتیہ کا ذکر تلقین فرمایا پھر احقر نے دو تعویذوں کے لئے عرض کیا کہ نظر کا تعویذ ایک میرے بچے کے لئے اور ان کے بچے کے لئے درکار ہے۔ فرمایا میری تو دوات تعویذ کے قابل نہیں رہی۔ خشک سیاہی پانی ڈالنے سے پھیکی ہو جائے گی اور پرانی ہو اور اس سے تعویذ نہیں لکھنا چاہیے، عرض کیا کہ تعویذ تو حضرت سے لکھوانا ہے پھر دوات میں سیاہی نئی ڈلوائی اور تعویذات لکھ کر ہمارے حوالے کئے فرماتے تھے خود ہی لکھ لینا۔ اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من کل شیطان وهامة و کل عین لامة، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ اس پر یہ الفاظ بھی زیادہ کرے حصنتک بحصن اللہ الخ احقر نے عرض کیا کہ حضرت ہی تحریر فرمادیں پھر بڑی عنایت ہوئی۔

جب شام کی گاڑی سے ہم واپس ہونے لگے تو فرمانے لگے، اگر کوئی اور گنجائش ہو تو ٹھہر جاؤ، احقر نے عرض کیا کل کو رخصت ہے ہیں گے، پھر اگلے دن صبح کو مجلس ہوئی، جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ آپ کی مہمانی کا حق ادا نہیں ہو سکا۔ کچھ خیال نہ کرنا میں بھی علیل ہوں مجھے بہت رقت ہوئی کہ اتنی شفقت پر بھی یہ عذر۔

ملتا، جو ملتا ہے وہ قابل نہیں ہوتا، اور جو قابل ہوتا ہے فراغت نہیں نکالتا۔

جب حضرت شاہ صاحب ڈابھیل چلے گئے اس کے بعد ایک وقت دیوبند آئے ہوئے تھے۔ غالباً رمضان مبارک میں یا عید الاضحیٰ کے بعد بندہ مع چند رفقاء تھانہ بھون گیا ہوا تھا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ہم سب دیوبند آئے، غالباً مولوی محمد رمضان صاحب اور مولوی عبد القدوس صاحب رائے پوری وغیرہ بھی ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے گھر پر حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کو مرض کی وجہ سے کچھ ضعف ہو رہا تھا مگر شفقت بزرگانہ سے ساتھ بیٹھے اور افادیت سے متمتع کیا۔

میں نے ایک عبارت مغنی ابن قدامہ کی پوچھی فرمایا وہ ابن قدامہ کی مغنی جو مطبوعہ ہے وہ غلط ہے۔ صحیح نسخہ مکہ مکرمہ کے کتب خانہ میں ہے میں جب عرب گیا تھا تو مکہ مکرمہ میں اس کا مطالعہ کیا تھا اس مسئلہ کے متعلق عبارت نقل کر لی تھی، چنانچہ باوجود ضعف کے اٹھے اور اندر سے دو تین ورق لائے اور عبارت پڑھی میں نے وہ عبارت نقل کی (افسوس کہ وہ عبارت ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں جامعہ کے کتب خانہ میں رہ گئی)

میں اس وقت اپنا رسالہ "خیر الکلام فی ترک الفاتحہ خلف الامام" لکھ رہا تھا چنانچہ اس کے اٹھائیس صفحے تیار ہوئے تھے، میں نے پہلے تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت مرشدی ومولائی حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب قدس اسرارہم کو سنائے حضرت والا نے میری حوصلہ افزائی کے لئے دس روپے بطور انعام دیئے۔ یعنی اس رسالہ کے دو چار ورق سنائے حضرت

حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ

مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے تاثرات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے فرمایا کہ میں بحر علم وعمل، قدوۃ الاحد ثین رئیس المحققین حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب قدس سرہ کے متعلق کچھ یادداشت قلم بند کروں، مگر آپ کو معلوم ہے کہ بیماری کی وجہ سے میرا حافظہ باقی نہیں رہا۔ صرف ایک دو باتیں بالمعنی عرض کرتا ہوں۔

جب کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ دار العلوم دیوبند میں تھے اس وقت میں تھانہ بھون گیا ہوا تھا، وہاں سے فارغ ہو کر دیوبند آیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس وقت اوپر والے کمرے میں تھے۔ جو دار التفسیر کے قریب ہے اتفاق سے اکیلے تھے میں ملا اور مودبانہ ملاقات کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں، بعد میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنی کتاب فصل الخطاب دی اور فرمایا کہ اس کو دیکھنا، پھر فرمایا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے یہ کتاب طلباء کو مفت دی مگر بعض طلباء نے بازار میں چار آنہ میں بیچ دی، محنت کی یہ قدر کی۔ پھر فرمایا کہ میرے دل میں مضامین ابلتے اور جوش مارتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کو بذریعہ تحریر ظاہر کروں مگر افسوس کہ میں تحریر میں کوتاہ قلم ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ دو سرا کوئی قابل تیز قلم ہر وقت میرے پاس رہے جب وہ مضامین جوش ماریں تو میں لکھوا دیا کروں، افسوس کہ ایسا آدمی نہیں

شاہ صاحب قدس سرہ نے بھی پسند فرمائے تو میں نے سوال کیا کہ آپ نے غیر مقلد کا رسالہ "الکتاب المستطاب" دیکھا یا نہیں؟ فرمایا کہ میں جہلاء حمقاء کی کتابیں نہیں دیکھا کرتا، میں نے عرض کیا کہ میں اس واسطے پوچھتا ہوں کہ میں آج کل اس کا جواب لکھ رہا ہوں، اور اس میں بعض باتیں قابل استفسار ہوتی ہیں۔

فرمایا جو بات قابل استفسار ہو کرے تو اس کو آپ اپنی طرف نسبت کیا کریں، میں جواب دوں گا، اگر کسی شخص کی طرف نسبت ہوگی تو میں جواب نہیں دوں گا۔

پھر میں نے عرض کیا کہ مجھے سند حدیث دیجئے، اور اطراف کتب حدیث سن لیجئے، فرمایا کہ میں آپ کو ویسے سند دیتا ہوں، اور اجازت دیتا ہوں میرا آپ پر اعتماد ہے مگر سند مطبوعہ میرے پاس ہوتی تو آپ کو اس وقت دے دیتا جب میں ڈابھیل پہنچوں تو مجھے یاد دلانا میں مطبوعہ سند بھیج دوں گا۔

بندہ خیر محمد مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان
(۲۸/جمادی الاخری ۱۳۸۳ھ)

☆☆☆

۱۳۳۲ھ میں شیخ الاسلام قلپ تن دیوبند تشریف لائے ان کی آمد پر جلسہ ہوا حضرت شیخ الہند نے بھی شرکت فرمائی۔ حضرت شاہ صاحب نے طلباء اور اساتذہ کے مجمع میں جو تقریر فرمائی وہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ علیہ نائب مہتمم دار العلوم دیوبند کی زبان سنئے، آپ القاسم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ اور محرم ۱۳۳۲ھ میں فرماتے ہیں

اس کے بعد جناب مولانا سید محمد انور شاہ صاحب مدرس دار العلوم دیوبند نے بہت فصیح بلیغ عربی زبان میں برجستہ تقریر فرمائی مولانا موصوف کے فضل وکمال علمی اور فصاحت وبلاغت سے اکثر حضرات واقف ہیں، مولانا کی تقریر ایک جانب اگر باعتبار زباندانی اور فصاحت روانی کے بے مثل تھی تو دوسری جانب ایسے مضامین اور حقائق اصول دین ونکات علم کلام وحدیث پر حاوی تھی جو کم کسی نے سنی ہوگی، حضرت شیخ الاسلام موصوف بھی آپ کی تقریر و مضامین پر متوجہ تھے، نہایت غور کے ساتھ ہمہ تن گوش بنے ہوئے متوجہ تھے، اور استحسان وتسلیم کے ساتھ گردن ہلاتے تھے، مولانا نے جو مضامین بیان فرمائے، وہ حقیقت میں ایسے تھے کہ دوسرا شخص گو کتنا ہی وسیع النظر اور قادر علی الکلام ہو متعدد مجالس میں بھی ادا نہ کر سکتا تھا، مگر آپ کا دوسرا کمال یہ تھا کہ ان ہی مضامین دقیقہ کو نہایت جامع اور مختصر الفاظ میں بہت تھوڑے سے وقت کے اندر اس طرح بیان کر دیا کہ فہم مضامین میں خلل واقع ہوا نہ کوئی ضروری بات فروگذاشت ہوئی نہ بے ضرورت زائد از

حاجت یک جملہ زبان سے نکلا۔ اس میں بھی ذرا شک نہیں کہ اگر ہفتوں سوچ کر اور عبارت کو مہذب منقح بنا کر کوئی شخص لکھتا اور یاد کر کے سناتا تو ایسی سلاست وروانی کے ساتھ نہ پڑھتا اور ایسی واضح وبرجستہ تقریر نہ کرسکتا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

(شیخ الاسلام نے جوابی تقریر میں یہ بھی فرمایا) اور یہ بھی مجھ کو استاذ جلیل (مولانا سید محمد انور شاہ صاحب) نے اس مدرسہ کے مؤسس اور بانی کے اصول دربارۂ اشاعت علوم تائید دین سمجھائے ہیں تو مجھ کو معلوم ہوگیا کہ اس جگہ اہل سنت والجماعت کے مسلک کی تعلیم دی جاتی ہے، اور یہی طریقہ میرے نزدیک اہل سنت والجماعت کا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے متبع ہیں اور طریقہ سنت کی تائید اور مبتدعین کا رد بھی عین سنت اور فرائض علماء میں داخل ہے۔

اور آخر میں ختم کر کے فرمایا آج استاذ جلیل (مولانا محمد انور شاہ صاحب) کے ذریعے سے حقائق اور معارف علوم دین کے ایسے بے بہا موتی میرے کان میں پڑے جو آج تک کبھی نہ سنے تھے اور یہ مجلس ہمیشہ یاد رہے گی۔

☆ ایک دفعہ لاہور آسٹریلیا مسجد حوض کی چھت پر چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ حقیر نے دریافت کیا کہ کیا لما ظرفیہ کا صدقاء بھی آتا ہے؟ فوراً فرمایا کہ شرح الفیہ میں اشمونی نے لکھا ہے کہ جائز ہے۔ اور استدلال

میں آیت پیش کی ﴿فلما نجاهم الى البر فمنهم مقتصد﴾ (الآیۃ) اور بھی بلغاء کے ہاں یہ استعمال ہوا ہے، پھر حقیر نے تلاش کیا تو مختصر المعانی ص ۳ ثم لما وفقت بعون الله وتائيده للاتمام الخ فجاء بحمد الله كما يروق النواظر نیز تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۹۳ مصری اور ملا عصام نے اس پر بحث نفیس کی اور اس کا جواز ثابت کیا ہے۔

احقر نے عرض کیا کہ ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ ذو کی اضافت مضمر کی طرف جائز نہیں ہے۔ فوراً فرمایا کہ مسلم شریف کے خطبہ ہی میں ہے مثل ابی هريرة وابن عمر وذويهما ص ۳ مسلم میں آخری سطر، میں نے جستجو کی تو بہت سی کتابوں میں مل گیا۔

مختصر المعانی ص ۸ مطبوعہ مجتبائی دہلی لمسلم من الفصل بين الحال وذيها بالاجنبي جادلتم خاصمتم عنهم عن طعمة وذويه. جلالین ص: ۸۶ مطبوعہ نور محمد کراچی۔

مقامات حریری ص ۱۰۱ میں ہے فجاءت بابن بسر ذويه (وغيره من الكتب)

ایک صاحب نے اجتماع کا صلہ مع آنا ناجائز لکھا ہے اور درۃ الغواص کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ جوہری نے اس کا رد کیا ہے اور صحاح جوہری میں ہے جامعه على كذا أي اجتمع معه مسلم شریف میں بھی ص ۵۴ پر فرماتے ہیں ولم يذكر قدوم ابن المسعود واجتماع ابن عمر معه اور ابن عقیل شرح الفیہ مصری ص ۸۴ میں ہے أن يقع ظرفا لما

اجتمع معه شرح جامی ص ۵۶ لا یجتمع مع اللام والإضافة
تذکرۃ الحفاظ ص ۱۸۳ ج ۳ رأیت یوما اجتمع مع الدارقطنی. تفسیر
ابن کثیر ج ۱ ص ۳۲۹ اجتمع معه و ص ۲۰۸ ان یجتمعا مع
الاولاد الی غیر ذلک من العبارات.

☆ فرمایا کہ ابن سینا نے روح کی تحقیق پر ایک قصیدہ لکھا اور اپنی
حیرت کا اظہار کیا، پھر روح ہی کی تحقیق پر حضرت شاہ رفیع الدین محدث
دہلوی نے بھی ایک قصیدہ لکھا جو بلیغ بھی اور تحقیق بھی ہے۔ فرمایا کہ شاہ
صاحب چونکہ روحانی آدمی تھے اس میں علم کو مضاف استعمال کیا ہے۔ اس پر
اعتراض ہوا کہ علم کو مضاف تو استعمال نہیں کیا جاتا، یہ محاورہ عرب کے خلاف
ہے، پھر یہ معاملہ صاحب [illegible] تک پہنچا تو اس نے کہا علم کو مضاف وہی
استعمال کرسکتا ہے جو لغات عرب پر عبور تام رکھتا ہو، یہ کوئی بڑا ادیب ہے جس
کا یہ کلام ہے تو اعتراض کرنے والوں کو تسلی ہوئی۔

☆ آخر مارچ ۱۹۳۰ء مطابق ۱۳۴۹ھ دیوبند حاضر ہوا اس
وقت حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں مولانا محمد ادریس سیکروڈوی بھی
حاضر تھے، میں نے ان سے پوچھا کہ فصل الخطاب کی اس عبارت کا کیا
مطلب ہے؟ مگر مولانا حل نہ کر سکے، پھر حضرت شاہ صاحب نے اذکار
و اوراد سے فارغ ہو کر ہمیں اندر بلا لیا، میں نے پھر وہی عبارت پیش کی۔

فرمایا فلا تفعلوا إلا بام القرآن، میں کلمہ استثناء کے بعد تعیین
فاتحہ کرنا شارح کو منظور ہے، یہ نہیں کہ تعمیم فاعل بیان کرنا مقصود ہے پس لا
تفعلوا إلا أن تفعلوا بام القرآن میں ناظرین پر ملتبس ہو گیا کہ الا ان
تفعلوا جو کلمہ ام القرآن سے قبل مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر موجود ہے اس
کو پیش نظر رکھا گیا ہے، حالانکہ مقصود ام القرآن کی تعیین ہے گویا یہ فرمانا
چاہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی سے بطور لزوم پڑھانا مقصود نہیں، مگر کوئی پڑھے تو
باحتمال مرجوحہ موجود ہے۔

فصل الخطاب ص ۲۷ کی اصل عبارت یہ ہے

ويحتمل أن يكون لفظ محمد بن إسحاق من أوله إلى
آخره مسئلة وجوب الفاتحة في الصلاة قصدا مع الإباحة
للمقتدي تبعا، وليس التعليل لعموم الفعل وهو الضمير في
إلا أن تفعلوا المقدر بل لتعيين المفعول به إياها وهو قوله
إلا بأم القرآن، وهما أمران فالمطلوب ذات الفاتحة
ووجودها على شاكلة فرض الكفاية لا عمل كل واحد
لزوما، فإن فعل من شاء منهم فهو في حد الإباحة المرجوحة،
والتبس على الناظرين تعيين المفعول به بتعميم الفعل
لزوما.

غرض حضرت شاہ صاحب کے تقریر فرمانے کے بعد بندہ کا تو شرح
صدر ہو گیا اور بات سمجھ میں آ گئی۔

ادھر ایک صاحب نے اعتراض کیا وہ عبارت سمجھنے سے قاصر ہے کہ شاہ صاحب لفظ اِن تفعلوا جو اِلا کے بعد مقدر ہے اس سے بحث کر رہے ہیں تقدیر عبارت یوں ہے لا تفعلوا اِلا اَن تفعلوا بأم القرآن فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها چنانچہ حدیث مرفوع میں اسی طرح ارشاد ہے قال لا تفعلوا إلا أن يقرأ أحدكم بفاتحة الكتاب في نفسه یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا انور شاہ صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ لا تفعلوا میں ضمیر مقدر ہے یا بارز۔ دیکھیے غور نہ کرنے سے مطلب کیا سے کیا بن گیا کسی نے خوب کہا ہے:

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

وهو الضمير في لا تفعلوا البارز حضرت شاہ صاحب فرما رہے ہیں هو الضمير في إلا أن تفعلوا المقدر

اول تو جناب نے لفظ ہی بدل دیا اِلا ان تفعلوا کی جگہ لا تفعلوا ہی کا صیغہ لکھ مارا، پھر یہ بھی خیال نہ فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب نے مقدر ضمیر کو نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اِن تفعلوا جو کہ مقدر ہے اس کی ضمیر جمع مذکر واؤ کی تعمیم مقصود نہیں، چنانچہ اس سے صریح عبارت فصل الخطاب ص ۶۸ میں یہ ہے

أي أن قوله فإنه لا صلاة لمن لم يقرأ بها ليس تعليلا

لعموم الفاعل في إلا أن تفعلوا، بل لتعيين أن المقروء إن كان فهو الفاتحة لا غيرها وهو المناسب، انتهى

اب ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ معترض کو عبارت سمجھنے کا سلیقہ نہیں۔ معبود بفقه من شرور انفسنا کی طرح اور بھی کچھ اعتراضات کئے جس کے تحقیقی جوابات ہم نے دوسری جگہ دیئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے درس میں بعض اوقات ظرافت کی باتیں بھی ہو جاتی تھیں۔

☆ ایک دفعہ فرمایا کہ ایک مغفل کھجور کے درخت پر چڑھ کر کھجوریں توڑنے لگا جب اترنے لگا تو طریقہ بھول گیا، ایک اور مغفل بھی آ گیا اس نے رسہ طویل نیچے سے اس کی طرف پھینکا کہ اس کو اپنے بدن کے ساتھ باندھ لے میں تجھے نیچے کھینچ لوں گا، نیچے کھینچا تو بیچارہ گر کر مر گیا، لوگوں نے اس کو پکڑا، یہ تو نے کیا کیا ہے بیچارے کی جان بھی گئی، جواب دیا کہ میں نے ایک دفعہ ایک شخص کو کنوئیں سے اسی طریقہ سے اوپر کھینچا تھا اسی پر قیاس کر کے میں نے کھینچا۔

چہ دوگز چہ دل چہ دہ گز بریں

☆ فرمایا حضرت علامہ ابن جریر طبری درس حدیث دے رہے تھے کوئی رئیس آیا اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی تھیلی پیش کی اور رکھ کر

جانے لگا ابن جریر رحمہ اللہ نے اٹھا کر تھیلی کو پھینک دیا، تھیلی پھٹ کر دینار
ادھر ادھر بکھر گئے، وہ رئیس ان کے پیچھے دوڑنے لگا اور جمع کرنے لگا حضرت
ابن جریر فرمانے لگے جب تو نے یہ اشرفیاں مجھے دے دی تھیں تو اب تم کس
لئے جمع کرتے ہو؟ اب تو تمہاری ملک رہی نہیں سچ ہے دنیا کی حرص بری چیز
ہے۔

☆ فرمایا ایک دفعہ میں اور مولانا اصغر حسین صاحب مدرسہ
دیوبند کے لئے چندہ کی غرض سے سورت گئے، میزبان نے کچھ کھانا لا کر رکھا،
ہم کھانے لگے میں نے خیال کیا کہ اور تو شاید آئے گا نہیں اسی میں گزارہ
کرلیا، تھوڑی دیر میں اور کھانا بھی لے آئے، مولانا اصغر حسین صاحب
فرمانے لگے کہ تو کیوں نہیں کھاتا؟ میں نے کہا مجھے تو یاس کلی ہو چکی تھی اب
کھانا اور نہیں آئے گا، لہذا میں نے اسی میں گزارہ کر لیا۔ اس "یاس کلی" پر
بہت مسکراتے تھے۔

☆ إنما الأعمال بالنيات وإنما لامرئ ما نوى،
فمن كانت هجرته إلى الله ورسوله فهجرته إلى الله ورسوله
ومن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو امرأة ينكحها فهجرته
إلى ما هاجر إليه. (بخاری وغیرہ)

فرمایا یہاں تین چیزیں ہیں (۱) عمل، (۲) نیت اور (۳) غایت۔
پہلی کی طرف اشارہ فرمایا فمن كانت هجرته، عمل کی طرف اشارہ

کردیا۔ اور ثانی کی طرف اشارہ فرمادیا إلى الله ورسوله، یعنی رضی اللہ یہ
نیت ہے۔ تیسری چیز کی طرف اشارہ فرمادیا فهجرته إلى الله ورسوله
یہی وہ غایت ہے ایسا ہی جملہ ثانیہ میں ہے۔

☆ فرمایا لفظ مسیح ماشیح کا معرب ہے، اس کے معنی عبرانی زبان
میں مبارک، اور لفظ عیسیٰ ایشوع سے لیا گیا ہے اس کے معنی مخلص، اور
فارقلیط کا جو لفظ انجیل میں آیا ہے اس کے معنی محمد مصطفیٰ خاتم الانبیاء ہیں،
جب مراد اس سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کا دوبارہ نزول انبیاء کی تصدیق عملی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی
نبی منتظر باقی نہیں ہے کیونکہ ان کے واپس تشریف لانے سے ثابت ہوگیا کہ
انبیاء کی تعداد چونکہ ختم ہوگئی اس لئے پہلے انبیاء میں سے لایا گیا، کیونکہ
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص مناسبت ہے، اس
لئے ان ہی کا انتخاب ہوا، جس نبی نے صراحۃً بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے تشریف لانے کی دی وہی آکر تصدیق بھی فرمائیں گے۔ اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہوں گے۔

☆ لاہور میں خدام الدین کے جلسے پر بہت سے علماء جمع تھے،
حضرت مولانا مدنی بھی تشریف فرما تھے مولانا سید محمد طلحہ صاحب بھی تھے،
حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اساتذہ کی روایت ہے کہ جب سلطان

عالمگیر نے فتاویٰ مرتب کرایا تو علماء رات کے وقت بعد نماز تہجد جو مسائل روزانہ لکھے جاتے سنایا کرتے تھے۔ اور جب کسی مسئلہ میں علماء الجھ جاتے تو سلطان عالمگیر جو کہتے تھے وہی مسئلہ مدلل ہو کر تحریر ہوتا تھا، یہ اس کے وفور علم اور تقویٰ کی دلیل ہے۔

یوم عاشوراء کی تاریخ کی تحقیق

(القاسم جلد ۳، دیوبند، شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ)

عالی جناب صوبیدار صاحب کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ جملہ فقہاء، محدثین کے نزدیک یوم عاشوراء دسویں محرم ہے، لیکن روایات حدیث اور حساب دونوں اس کے خلاف ثابت ہے۔

احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس روز مدینہ منورہ تشریف لائے یہود مدینہ کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ اس سے وجہ روزہ کی دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا یہ دن بہت مبارک ہے اسی دن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن یعنی فرعون سے نجات دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس روز روزہ رکھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تو بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ کا اتباع کریں، تب آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی حکم دیا، اور یہ مسلم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ تشریف لانا ۸ ربیع الاول کو ہوا، اور ۸ ربیع الاول مطابق ہوتی ہے ۲۰

ستمبر ۶۲۲ عیسوی کے اور ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء مطابق ہوتی ہے دہم تشرین کے، ان دونوں مقدموں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یوم عاشوراء جس کے روزے کا مسلمانوں کو وجوباً یا استحباباً حکم دیا گیا ہے دہم تشرین ہوتی ہے۔ فقہاء کا صوم عاشوراء کے لئے دسویں محرم کو متعین کر لینا بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے کسی حساب سے ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء دسویں محرم کے مطابق نہیں ہوتی۔

مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ وتابعین فقہاء ومحدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ عاشوراء دسویں محرم ہے، اس میں ایک کو بھی اختلاف نہیں ہے، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بدیں تفصیل مروی ہے "حکم بن اعرج کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا کہ عاشوراء کا روزہ کس روز رکھوں؟ فرمایا کہ جب تم ہلال محرم کو دیکھو تو شمار کرتے رہو جب نویں تاریخ ہو روزہ رکھو، میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح روزے رکھتے تھے؟ فرمایا ہاں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یوم عاشوراء محرم کی دسویں تاریخ ہے، رہا نویں تاریخ کا روزہ یہ اس بناء پر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نویں محرم کے روزہ کو دسویں کے ساتھ ملانا چاہتے تھے، اس کے خلاف صرف ایک روایت کی بناء پر بظاہر اشکال واقع کیا گیا جو ابن عباس سے مروی ہے کہ

قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینة فرأی الیهود تصوم عاشوراء (الحدیث)

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو

یہود کو عاشوراء کا روزہ رکھتے ہوئے پایا، لیکن درحقیقت یہ اشکال واقع نہیں ہوتا، کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس روز مدینہ میں تشریف لانے کی روز یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا، بلکہ روایت کا یہ مطلب ہے کہ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اول مرتبہ جب محرم آیا تب آپ نے دسویں تاریخ یہود کو روزہ رکھتے ہوئے پایا۔

اور صاحب ''نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام'' کی یہ روایت کہ یوم قدوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء تھا، کسی طرح حجت نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ روایت صحیح روایات کے خلاف ہے اس کے نقل وسیاق میں ضرور تحلیط واقع ہوئی ہے، اور اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تب بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ وہ دن عاشوراء مسلمین کا دن تھا، بلکہ یہود کے بعض فرقوں نے یوم عاشوراء کو جو قمری مہینے کے حساب سے ہوتا تھا شمسی مہینے میں سے کر کے دن اور تاریخ کو بدل دیا تھا، پس ممکن ہے کہ ان بعض یہود کے حساب سے عاشورا کا دن ہو نہ کہ مسلمانوں اور اکثر یہود کا۔

خلاصہ یہ ہے کہ کسی قابل اعتماد روایت سے یہ امر ثابت نہیں کہ آپ کے تشریف لانے کا دن عاشوراء کا دن تھا، اور سارے اشکال کی بنیاد صرف اتنی ہی بات پر تھی، پوری تحقیق اور تفصیل مولانا کے کلام میں موجود ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد بے حد مر حی قیوم را کہ تصرف ازمان واکوان در حیطۂ قدرت

اوست، و تشریف چیزے بر چیزے بمقتضے ''کل یوم ہو فی شان'' آیت کبریا و عظمت او، و درود نامحدود بر سید موجودات و سرور کائنات کہ سنت غرہ وے حجت بیضاء است، و طلعت سعید وے عید سعید شہباء، و دین متین وے غرہ جبیں سعداء و قمر عیون کملاء، و بر آل واصحاب وے و جملہ اتباع و احباب وے۔

اما بعد ایں سطرے باقتضاء حال در حل بعض اشکال متعلق تاریخ یوم عاشوراء در سلک تحریر کشیدہ شد و مرام از آں محض تحقیق مقام است لا غیر، و بخدا توفیق۔

باید دانست کہ یوم عاشورہ بمقتضائے احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واتفاق امت مرحومہ یوم عاشورہ از محرم الحرام حسب رؤیت ہلال است۔

قال فی عمدۃ القاری وہو مذہب جمہور العلماء من الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم، اھ.

وقال الزرقانی وقال القاضی والنووی الذی تدل علیہ الأحادیث کلہا انہ العاشر وہو مقتضی اللفظ، اھ

ودر جامع ترمذی عن الحسن عن ابن عباس روایت کردہ قال أمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصوم یوم عاشوراء الیوم العاشر، اھ.

وقال فی عمدۃ القاری ومنہا ما رواہ البزار من

حديث عائشة بلفظ: أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر بصيام عاشوراء يوم العاشر، ورجاله رجال الصحيح، اهـ

وحديث صحيح مسلم عن الحكم ابن الأعرج قال: انتهيت إلى ابن عباس وهو متوسد رداءه في زمزم، فقلت: أخبرني عن يوم عاشوراء أي يوم أصومه؟ فقال: إذا رأيت هلال المحرم فاعدد، ثم أصبح من اليوم التاسع صائما، قلت: أهكذا كان يصومه محمد صلى الله عليه وسلم؟ فقال: نعم، اهـ

پس جواب بر اسلوب حکیم است، یعنی در تعیین عاشورا هیچگونه خفا نیست که عاشر محرم الحرام است، آرے قابل لحاظ این امر است که تاسع نیز در صوم عاشر ضم باید کرد، و در قول وے، أهكذا يصومه محمد صلى الله عليه وسلم؟ فقال: نعم، اهـ

هم اسلوب حکیم است که تمنائے آنحضرت صلی الله علیه وسلم را که اگر تا عام قابل زنده مانند تاسع را هم با عاشر در صوم ضم کنند نازل بمنزلهٔ فعل آنحضرت داشت چنانکه سیاق طحاوی برین معنی دلالت کند۔

قلت لابن عباس: أخبرني عن يوم عاشوراء، قال: عن أي باله تسأل؟ قلت: أسأل عن صيامه أي يوم أصوم؟ قال: إذا أصبحت من تاسعة فأصبح صائما، الحديث

قال في عمدة القاري: فإن قلت: هذا الحديث

الصحيح يقتضي بظاهره أن عاشوراء هو التاسع، قلت: أراد ابن عباس من قوله: فإذا أصبحت من تاسعة فأصبح صائما، أي صم التاسع مع العاشر بقوله: نعم، ما روى من عزمه صلى الله عليه وسلم على صوم التاسع من قوله: لأصومن التاسع، وقال القاضي: ولعل ذلك على طريق الجمع مع العاشر، لئلا يتشبه باليهود، كما ورد في رواية أخرى: فصوموا التاسع والعاشر، وذكر رزين هذه الرواية عن عطاء عنه، وقيل: معنى قول ابن عباس: نعم، أي نعم يصوم التاسع لو عاش إلى العام المقبل، وقال أبو عمر: هذا دليل على أنه صلى الله عليه وسلم كان يصوم العاشر إلى أن مات، ولم يزل يصومه حتى قدم المدينة، وذلك محفوظ من حديث ابن عباس، اهـ

وقال في فتح الباري: ثم ما هم به من صوم التاسع يحتمل معناه أنه لا يقتصر عليه بل يضيفه إلى اليوم العاشر إما احتياطا له وإما مخالفة لليهود والنصارى وهو أرجح، وبه يشعر بعض روايات مسلم، ولأحمد من وجه آخر عن ابن عباس مرفوعا: صوموا عاشوراء وخالفوا اليهود صوموا قبله أو يوما بعده. *ونحو آن نزد طحاوی هم است وابن عباس خودش بر صوم دو روز عامل بوده۔*

قال فی عمدة القاری: روی عن ابن عباس أنه کان یصوم الیومین خوفاً أن یفوته، وکان یصومه فی السفر

پس باشد که ابن عباس در صوم تاسع مع عاشر رعایت عزم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و رعایت خوف فوت عاشر بحسب اختلاف رویت ہلال ہر دو نمودہ باشد، چہ در فوائد تزاحم نیست، و معلوم است کہ جواب بر اسلوب حکیم طریقہ مسلوکہ بلغاء ست چنانکہ قول او تعالی شانہ ﴿یسئلونک عن الأهلة قل هی مواقیت للناس والحج﴾ برہمیں اسلوب فرود آوردہ، گفتہ اند سوال از علت شکال قمر و ازدیاد و انتقاص بود، جواب بفوائد آں دادہ شد، و با اشتکال بحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما، "قال: قدم النبی صلی اللہ علیه وسلم المدینة، فرأى الیهود تصوم یوم عاشوراء، فقال: ما هذا؟ قال: هذا یوم صالح، هذا الیوم نجی الله بنی إسرائیل من عدوهم، فصامه موسى، قال: فأنا أحق بموسى منکم، فصامه وأمر بصیامه، اهـ" بر آنکہ یوم قدوم کہ باتفاق در ربیع الاول بودہ نہ در محرم، پس اشتکال بجا است زیرا کہ در ہیچ روایتے واقع نشد کہ صوم یہود در روز قدوم بود تا باعث شہر محرم منتقل شد بلکہ صوم یہود ہم در محرم از سن ثانیہ بودہ۔

قال فی فتح الباری: وقد کان قدومه المدینة، ولا شک أن قدومه کان فی ربیع الأول، فحینئذ کان الأمر بذلک فی أول السنة الثانیة فرض شهر رمضان، فعلى هذا

لم یقع الأمر بصیام عاشوراء إلا فی سنة واحدة، ثم فوض الأمر فی صیامه إلى رأی المتطوع، اهـ

وقال فی عمدة القاری: فإن قیل ظاهر الخبر یقتضی أنه صلى الله علیه وسلم حین قدم المدینة وجد الیهود صیاماً عاشوراء، والحال أنه صلى الله علیه وسلم قدم المدینة فی ربیع الأول، وأجیب بأن المراد أن أول علمه بذلک وسؤاله عنه بعد أن قدم المدینة لا أنه قبل أن یقدمها علم ذلک، وقیل فی الکلام حذف، تقدیره: قدم النبی صلى الله علیه وسلم فأقام إلى یوم عاشوراء فوجد الیهود فیه صیاماً، اهـ

واما آنچہ صاحب "تاریخ الامم فی تقویم العرب قبل الاسلام" آوردہ کہ روز قدوم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء بودہ، و در سیرت نیز دریں باب نقل کردہ، پس باوجود آنکہ در نقل سیاق روایت تغلیط واقع شدہ مقتضی ایں امر نیست کہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین باشد، بلکہ یوم قدوم بحساب بعض یہود عاشوراء او شاں بود کہ وہم تشرین می باشد، و مطابق با ہشتم ربیع الاول افتادہ، و ایں بعض یہود عاشوراء را بحساب شمسی می گرفتند کہ بریں تقدیر در مشہور قمریہ دائر ماندے تا آنکہ یوم قدوم عاشوراء مسلمین ہم ساتر یہود باشد کہ عاشوراء را بحساب ہلال می گرفتند، و اختلاف یہود را باعتبار عاشوراء خود از الفاظ حدیث می خیزد، چنانکہ در لفظ صحیح مسلم ست "عن أبی موسى قال: کان أهل خیبر یصومون یوم عاشوراء یتخذونه عیداً،

يلبسون نساءهم حليهم لما رأتهم فقال فصام رسول الله صلى الله عليه وسلم فصوموا أنتم"

در صحیح بخاری از ہجرت است وبدا أناس من اليهود يعظمون عاشوراء ويصومونه، پس تقیید بأمل خیبر وبأناس من یہود دلالت کند بر اختلاف یہود اندریں باب۔

وقال في فتح الباري ويحمل اولئك اليهود كانوا يحسبون يوم عاشوراء بحساب السنين الشمسية فصادف يوم عاشوراء بحسابهم اليوم الذي قدم فيه صلى الله عليه وسلم المدينة، وهذا التأويل مما يترجح به أولية المسلمين وأحقيتهم بموسى عليه السلام، لإضلالهم اليوم المذكور وهداية الله المسلمين له

پس تقیید کردہ بقول وے اولئك اليهود تصریح نمودہ کہ ایں جماعت یہود یوم عاشوراء را گم کردہ بودند، وہدایت کردہ خدا مسلمین را بسوئے۔ بعد ازاں فرمودہ ثم وجدت في المعجم الكبير للطبراني ما يؤيد الاحتمال المذكور أولا، وهو ما أخرجه في ترجمة زيد بن ثابت عن أبيه قال ليس يوم عاشوراء باليوم الذي يقوله الناس، إنما كان يوم تستر فيه الكعبة، وكان يدور في السنة، وكانوا يأتون فلانا اليهودي يعني ليحسب لهم،

فلما مات أتوا زيد بن ثابت فسألوه، وسنده حسن قال شيخنا الهيثمي في زوائد المسانيد لا أدري ما معنى هذا، قلت ظفرت في كتاب الآثار القديمة لأبي الريحان البيروني، فذكر ما حاصله أن جهلة اليهود يعتمدون في صيامهم وأعيادهم حساب النجوم، فالسنة عندهم شمسية لا هلالية، قلت فمن ثم احتاجوا إلى من يعرف الحساب ليعتمد عليه في ذلك.

یعنی عاشوراء نزد بعض یہود پیش از اصلاح بود ایں عاشوراء معروف فيما بين المسلمين الآن، بلکہ آں روزے بود کہ کعبہ در آں روز جامہ پوشیدندے، وچوں آں بعض یہود بحساب شمس میگرفتند، بعد عاشوراء در شہور قمریہ دائر ماندے تا آنکہ اسلام بسوئے حساب قمری ہدایت نمود، ہمیں بود مرضی خدا۔ وتقیید ابی ریحان بیرونی بقول وے جهلة اليهود دلالت کند بر آں کہ اصل حساب بحسب کتاب سماوی نزد ایشاں ہم قمری بود، وبسوئے شمسی تحویل کردند، ودر بعض زیجہا وتقاویم دیدہ شدہ کہ حساب عبری از عہد آدم علیہ السلام تا حال قمری است سوائے آں کساں کہ تحویل کردند۔ وبعض مفسرین آیت کریمہ إنما النسيء زيادة في الكفر بر ہمیں تحویل فرود آوردہ، زیرا کہ دریں تحویل تحویل اوقات شرعیہ است کہ مناقض ست با اوضاع شریعت۔

قال في الكشاف وربما زادوا في عدد الشهور فيجعلونها ثلاثة عشر أو أربعة عشر، ليتسع لهم الوقت، ولذلک قال عزوعلا ﴿إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً﴾، فكان غير زيادة زادوها.

ہمچنیں حدیث الا إن الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق السماوات والأرض، السنة إثنا عشر شهراً، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات ذو القعدة وذو الحجة والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان

دانا کہ مشرکین نیز پیش از اسلام ہر دو حساب معمول داشتند، پس خلاصہ کلام آنکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم در صوم یوم عاشوراء موافقت آں یہود نمودہ کہ در تعیین وے بر جواب بودند موافقت آنکہ تحویل کردہ بودند، ودریں یوم علاوہ نجات دیگر خصوصیات نیز مستند۔

قال في فتح الباري ولأحمد من طريق شبيل بن عوف عن أبي هريرة نحوه، وزاد فيه وهو اليوم الذي استوت فيه السفينة على الجودي، فصامه نوح شكرا

وقال في عمدة القاري وروى ابن أبي شيبة بسند جيد عن أبي هريرة يرفعه يوم عاشوراء تصومه الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فصوموه أنتم ودرمیان حدیث ابن عباسؓ کہ گذشت، وحديث أم المؤمنين عائشةؓ قالت كان يصوم

عاشوراء وتصومه قريش في جاهليته، وكان رسول صلى الله عليه وسلم يصوم في الجاهلية، فلما قدم المدينة صامه وأمر بصيامه. ہیچگونہ منافات نیست۔

قال في فتح الباري ليس في الخبر أنه ابتدأ الأمر بصيامه، بل في حديث عائشة التصريح بأنه كان يصومه قبل ذلك، فغاية ما في القصة أنه لم يحدث له بقول اليهود تجديد حكم، وإنما هي صفة حال وجواب سؤال، ولم تختلف الروايات عن ابن عباسؓ في ذلك، ولا مخالفة بينه وبين حديث عائشةؓ أن أهل الجاهلية كانوا يصومونه، كما تقدم، إذ لا مانع من التوارد للفريقين على صيامه مع اختلاف السبب في ذلك.

واستناد بنقل تورات کہ نجات موسیٰ علیہ السلام ۲۳ در رمضان مطابق ۲۰ نیسان بودہ، نہ در روز عاشوراء کہ وہم تشریک باشد، وآں در صوم کبور نیز نوانند، ونہ در عاشر محرم الحرام قابل اعتبار نیست، چہ از سیاق ظاہر ست کہ تاقل احبار است وحیلئذ حجت نیست، ودوں اثبات صحت وے قطع مفقود ست۔

في طلعة الشمس ما يغنيک عن زحل

☆☆☆

عالم کی بقاء یادالٰہی پر منحصر ہے

حضرت اقدس شاہ صاحب قدس سرہ کا وعظ سادہ ہوتا تھا، چھوٹے چھوٹے جملے، جو پوری طرح ذہن نشین ہو جائیں، ارشاد فرماتے تھے۔

مدینہ منورہ میں ایک دفعہ وعظ فرمایا، غالباً ۱۳۴۳ھ ہجری تھا

تمام عالم کی روح ذکر اللہ ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کی یاد قائم رہے گی عالم قائم رہے گا۔ جب دنیا اللہ کی یاد چھوڑ دے گی تو سمجھو کہ عالم کے کوچ کا وقت ہو گیا۔ حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا تقوم الساعة حتی لا یقال فی الأرض الله الله قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک شخص بھی اللہ اللہ کرنے والا رہ جائے گا۔ جب ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا نہ رہے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی، کیونکہ جب روح نہ رہی تو ڈھانچہ کسی کام کا نہیں، اسے گرا دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ سارے عالم کی روح اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، مقصود اصل ذکر الٰہی ہے، اور یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ احکام سب اس کے پیرائے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذاکر کے لئے موت نہیں، اور غافل کے لئے حیات نہیں، کیونکہ اصلی زندگی یادالٰہی ہے، اعمال صالحہ دراصل زندگی کے کام ہیں، اسی واسطے حدیث میں آیا ہے الأنبیاء أحیاء فی قبورهم یصلون (ترجمہ) انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں، یعنی زندگی والے کام بھی کرتے ہیں، ان کی قبر والی زندگی بھی اعمال صالحہ سے معطل نہیں بلکہ وہ زندہ

ہیں اور زندوں والے کام بھی کرتے ہیں، اس حدیث کو امام بیہقی نے صحیح فرمایا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کی تصحیح فرمائی ہے۔

از یکے گو وز ہمہ یک سوئے باش
یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

سب سے یکسو ہو کر فقط اس کا ایک کا ہو جا۔ تیری ظاہر و باطنی توجہ اس ایک ہی کی طرف رہے۔

ہر گیاہے کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

حضرات اللہ تعالیٰ سے علاقہ پیدا کرو، ظہیر فاریابی اپنے دیوان میں کہتے ہیں اور سارے دیوان میں یہی ایک شعر ہے جو خلاصہ سارے دیوان کا ہے۔

من نے گویم زیاں کن یا بہ بند سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشی زود باش

میں یہ نہیں کہتا کہ تو اپنے نقصان کا کام کر یا نفع کی فکر میں ہو، بلکہ یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ کرتا ہے جلدی کرے، موت کو یاد رکھنا چاہیے، وقت ہمارا انتظار نہیں کرتا، بلکہ تیزی سے نکلا جا رہا ہے، ایک صاحب فرماتے ہیں

رنگالے چنریا گندا لے ری سیس
تو کیا کیا کرے گی اری دن کے دن
نہ جانے بلالے پیا کس گھڑی

گھڑی مت لگے گی اری دن کے دن

معلوم نہیں کہ دھر سے ہوا کس وقت آ جائے، کفِ افسوس ملتی رہ جائے گی۔ (یہ اشعار پڑھتے وقت اتنی رقت ہوتی تھی کہ ریش مبارک تر ہو جاتی تھی، اور سامعین وقفِ گریہ و بکا ہو جاتے تھے)

بخاری شریف میں حدیث ہے کہ بندہ ایک دفعہ خلوص سے سبحان اللہ کہتا ہے تو آدھا پلہ آخرت کی ترازو کا بھر جاتا ہے، آخرت کی ترازو اتنی بڑی ہے کہ جتنا کہ زمین اور آسمان کا درمیانی حصہ نظر آتا ہے، اور جب بندہ الحمدللہ کہتا ہے صدقاً من قلبہ تو نصف پلہ باقی بھی بھر جاتا ہے، سبحان الله نصف الميزان، والحمد لله تملأ الميزان، اور جب یہ کہتا ہے ولا إله إلا الله والله أكبر تو اس کی سمائی زمین و آسمان میں نہیں ہوتی، چیر کر عرش کو نکل جاتا ہے، اور ترمذی شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم جنت کے خزانوں میں سے ایک مخفی خزانہ ہے، اس کا ثواب آخرت میں ملے گا۔

امام بخاری نے صحیح کو اس حدیث پر ختم فرمایا ہے كلمتان خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، حبيبتان إلى الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم

دو کلمے جو زبان پر خفیف ہیں آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں آخرت کی ترازو میں بڑے وزنی ہیں، رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

خیال فرمائیں جو شخص ان کا ورد ہر وقت رکھتا ہے کس قدر ثواب اس کو ملے گا پہلے جو حدیث لا تقوم الساعة حتى لا يقال في الأرض الله الله ذکر کی گئی ہے اس سے ثابت ہوا کہ مجرد اللہ اللہ بھی ذکر ہے۔

یوں بھی روایت ہے سبحان الله والحمد لله تملأ الميزان یعنی سبحان اللہ والحمدللہ دونوں مل کر ترازو کا پلڑا بھر دیتے ہیں۔

☆☆☆

ختم نبوت پر ایک نادر تحقیق

غالباً ۱۹۵۹ء ماہ نومبر میں لاہور میں حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا علی میاں صاحب ندوی لکھنوی بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے، حضرت اقدس نے احقر سے فرمایا کہ ختم نبوت کے متعلق اگر کوئی تقریر حضرت شاہ صاحب کی یاد ہو تو سناؤ، میں نے عرض کیا تقریریں تو بہت کی ہیں، ﴿ما كان محمد أبا أحد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شيء عليما﴾ اس پر بھی ایک تقریر طویل آپ نے کی تھی، اب میں ایک دو تقریر سناتا ہوں۔

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿وإذ أخذ الله ميثاق النبيين لما آتيتكم من كتاب

وحکمة ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه قال أأقررتم وأخذتم علی ذلکم إصری، قالوا أقررنا قال فاشهدوا وأنا معکم من الشاهدین﴾

نبوت کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا، اس کو حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں رکھ دیا، اور حضرت نوح آدم ثانی ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں منحصر کر دیا۔ وجعلنا فی ذریته النبوة والکتاب، پھر اس کی دو شاخیں کر دیں، ایک بنی اسرائیل، چنانچہ ان کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار پائے۔

دوسری بنی اسماعیل ان میں خاتم النبیین علی الاطلاق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے، اور سلسلہ نبوت آپ پر اختتام فرما دیا، اور بنی آدم کی سیادت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سپرد کر دی۔

أنا یوم القیامة سید ولد آدم لا فخر، بیدی لواء الحمد ولا فخر، وقد أخذ اللہ میثاق النبیین أی منهم بنصرته إن أدرکوا زمانه، وقد أدرکوه فی المسجد الأقصی ویدرکونه یوم العرض الأکبر۔

اور فرمایا حضرت آدم علیہ السلام اور سب نبی میرے جھنڈے تلے ہوں گے اور سب نے آپ کا مسجد اقصیٰ میں زمانہ پایا، اور آئندہ بھی پالیں گے اور اگر سب کے سب ایک زمانہ میں ہوتے تو آپ کی مثال ایسی ہوتی، جیسے کہ امام اکبر ہوتا ہے، لیکن چونکہ آگے پیچھے ظاہر ہوئے اور نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کمال شئے کے رتبے میں ظاہر ہوئے اور یہ تاخر زمانہ کے اعتبار سے ظاہر ہوا۔

حضرت ابی بن کعب سے روایت ہے کہ بدأ بی الخلق وکنت آخرهم فی البعث، میرے ذریعے خلق ظاہر ہوئی اور ابتداء مجھ سے ظاہر ہوئی اور تمام انبیاء علیہم السلام سے بعد میں مجھے مبعوث کیا گیا۔

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کنت أول النبیین فی الخلق وآخرهم فی البعث (کما فی الروح المعانی ج ۷) میں خلق میں سب سے اول ہوں اور بعث میں سب سے آخر، یہ حدیثیں درمنثور کنز العمال میں ہیں۔

حضرت قتادہ سے مرفوعاً ثابت ہے اور روح المعانی میں حضرت قتادہ سے دوسری روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد میثاق لیا کہ ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور یہ بھی کہ حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان کرنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی نبوت کسی کو تفویض نہیں کی جائے گی ان لا نبی بعدی کو تفسیر درمنثور مسند احمد، ابن جریر اور حاکم اور بیہقی نے دلائل النبوة میں نقل کیا اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس روایت کی تصحیح کی ہے۔

أنا عبد اللہ فی أم الکتاب لخاتم النبیین وآدم لمنجدل فی طینه، الحدیث، اور یہ میثاق نبیوں سے لیا گیا ہے۔

وإذ أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتاب (الآية) وإذ أخذنا ميثاقكم ورفعنا فوقكم الطور، ولقد أخذنا ميثاق بني إسرائيل وأرسلنا إليهم رسلا (الآية) وإذ أخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك ومن نوح وإبراهيم وموسى وعيسى ابن مريم وأخذنا منهم ميثاقا غليظا (الآية)

حاصل یہ کہ خذ میثاق نبیین سے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لیا گیا، میری ایک نظم نعتیہ ہے اس میں ایک شعر ہے

آیت میثاق در وے ثم ہست

ایں ہمہ از مقتضائے ختم است

آیت میثاق میں جو ثم آیا ہے یعنی ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم، الآیۃ یہ سب کچھ بہ مقتضائے ختم نبوت ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف رکھا گیا ورنہ معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اس امت کے نبی ہیں نبی الانبیاء بھی آپ ہی ہیں، ثم جاء کم اس امر کی دلیل ہے کہ وہ عظیم الشان رسول سب نبیوں کے بعد آئے گا، سورۃ صافات میں ہے ﴿جاء بالحق وصدق المرسلين﴾ وہ رسول حق لے کر آگیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کر دی، اگر غور سے دیکھو گے تو اس آیت میں وإذ أخذ الله ميثاق النبيين میں لام استغراق کے لئے ہے اور جو رسول آئے گا وہ سب کے بعد ہوگا، اور نزول عیسیٰ علیہ السلام میں جو حدیث میں آتا ہے حكما عدلا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کا

نزول بحیثیت پیغمبر نہیں ہوگا۔ پیغمبر تو آپ ہوں گے لیکن بحیثیت حکم عدل تشریف لائیں گے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقے میں تشریف لے گئے، پیغمبر تو تھے لیکن بحیثیت پیغمبر کے تشریف نہیں لے گئے تھے، شریعت یوسفی پر عامل تھے، جیسا کہ لو كان موسى حيا لما وسعه إلا اتباعي. میں ہے۔

الحاصل یہ نکھر گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے میثاق لیا گیا، قرآن عزیز میں ہے ولما جاءهم من عند الله مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين أوتوا الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم كأنهم لا يعلمون.

"ہدایت الحیاری" میں ہے لو لم يظهر محمد بن عبد الله صلى الله عليه وسلم لبطلت نبوة سائر الأنبياء اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ابن عبد اللہ کا ظہور نہ ہوتا تو تمام انبیاء کی نبوت باطل ہو جاتی۔ سو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہی تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق نعلی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بل جاء بالحق وصدق المرسلين یہ تفسیر حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمائی جو اجل مفسرین میں سے ہیں، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا اس کی دلیل ہے کہ باری تعالیٰ اور کوئی نبی نہیں بھیجے گا، یعنی آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ کی جائے گی عدد انبیاء کا ختم ہو گیا ہے، اور حسب حاجت کسی پہلے نبی ہی کو بھیجا جائے گا تا کہ دلیل ہو جائے کہ حضور ہی خاتم النبیین ہیں، اور

حضرت عیسیٰ تشریف لا کر بھی حضور کی ہی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے تا کہ سب پر ثابت ہو جائے کہ حضور ہی سب سے افضل اور خاتم النبیین ہیں،

تورات میں ہے" نابی میاخج مقرتج یاخیم لخ الاوخ الاوتشماعون "۔ یعنی نبیا من قربک من اخیک کاخیک یقیم لک الهک الیه تسمعون میں تیرے قریب بھائی بندوں میں سے ایک نبی مبعوث کروں گا تم اسی کی سنو۔

بنی اسرائیل کے قریبی بھائی بند بنی اسماعیل ہی ہیں۔ ان ہی میں سے نبی برحق مبعوث ہوئے ان ہی کے اتباع کا حکم فرمایا جا رہا ہے، وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے، اور اولاد بھی ہوگی، اور حج وعمرہ بھی کریں گے اور چالیس سال قیام فرمانے کے بعد انتقال فرمائیں گے، ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی پھر روضہ پاک میں دفن ہوں گے، جہاں ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے حج کیا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ایک وادی سے گذرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا ای واد هذا؟ معلوم ہوا کہ وادی ازرق ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کانی انظر الی موسیٰ کہ میں موسیٰ علیہ السلام کو گویا دیکھ رہا ہوں، اپنی انگلی کانوں میں دے کر بلند آواز سے تلبیہ کہتے جا رہے ہیں۔

پھر یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ وادی "ہرشی" سے گذر رہے

ہیں، یہ مسلم شریف میں بھی ہے، شاید ان دونوں نبیوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا تھا، مسند احمد اور مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج و عمرہ کریں گے اور "فج روحا" سے احرام باندھیں گے۔

اور امام بیہقی نے حیات انبیاء پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے، مسلم شریف میں ہے مررت بموسى ليلة اسرى بى عند الكثيب الأحمر وهو قائم يصلى فى قبره

اور مسند احمد میں صحیح ابن حبان اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرۃ سے روایت کیا ہے نبی علیہم السلام علاتی بھائی ہیں، دین ان کا واحد ہے۔

ان اولى الناس بعيسى بن مريم، لانه ليس بينى وبينه نبى، وانه خليفتى على امتى، وانه نازل فاذا رايتموه فاعرفوه (الحديث) اور مستدرک حاکم میں ہے وليأتين عند قبرى حتى يسلم على ولاردن عليه.

اور فتح الباری میں بھی ہے، اور ایک ٹکڑا مسلم شریف میں بھی آیا ہے۔ اور واضح رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا تمام دورہ از اول تا آخر طے فرمایا ہے بعد اول اور آخر میں ظہور فرمایا، اور تمام دورہ نبوت پر حاوی ہو گئے اس تقدیر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور پذیر ہونا اگر چہ آنحضور سے استفادہ کے طور پر ہی ہو ان میں صریح منقبت

ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

یہ اتنی تقریر کی تھی کہ حضرت اقدس نے فرمایا اس کو قلم بند کر دو، اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری بھی میرے پاس بیٹھے تھے، اور بڑے غور سے سن رہے تھے، بہت ہی اصرار کیا کہ اسے ضرور قلم بند کر دو، ورنہ میں آپ کے دروازے پر بیٹھ جاؤں گا، علی میاں بھی فرماتے تھے کہ بہاولپور کے حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بیان کو بھی ضرور قلمبند کر دینا چاہیے۔

☆☆☆

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی عملی شکل

فرمایا کرتے تھے کہ جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں دنیا میں عملی شکل اختیار نہ کریں گی اس وقت تک قیامت نہ آئے گی۔ (انبیاء کے معجزات کا عملی مشاہدہ کرا دیا جائے گا)

(ف) اس بات کو اب پچاس سال کے قریب ہو گئے چنانچہ آہستہ آہستہ سب حقائق کا تجربہ ہوتا چلا جا رہا ہے، اور آج کل کے خلائی سفر کرنے والے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سیر کرتے ہیں۔ ابھی یہ بھی ابتدائی حیثیت ہے، مستقبل قریب میں خلائی مسافروں کا سفر بہت تیز رفتار ہوگا، وہ بہت حیرت انگیز ہوگا، کیونکہ ستاروں کی درمیانی مسافت کو بہت تیزی سے

طے کریں گے، جس کا تصور بھی ہمارے لئے مشکل ہے۔

”گارڈن کوپر“ کا زمین کے ارد گرد ۹۰ منٹ میں ۲۲ چکر لگانا ایسے نئے دور کا پیغام ہے جیسے آئن سٹائن نے اپنے نظریئے اضافت کی بناء پر پہلے ہی صحیح مان لیا تھا، یہ خلائی سفر گارڈن کوپر نے ۹۰ منٹ میں طے کر لیا۔ اور گارڈن کوپر کی عمر اس خلائی سفر میں کم ہو گئی۔ اب تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا اور قرب قیامت میں نازل ہونا ایک حقیقت ثابتہ بن چکا ہے۔ ﴿وان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون﴾ کی تفسیر تجربے میں آ گئی۔

ایک فلاسفر نے لکھا ہے کہ خلائی کشتی کے ذریعے ایک سے دوسرے کہکشاں تک آنا جانا محض لاقوتی ہے اور وہاں کے حساب سے پچپن سال اور زمین کے حساب سے تیس لاکھ سال گزر چکے ہوں گے۔ یہ اس نے بڑے تحقیقی والے تجربے کے بعد حساب لگایا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ کئی بار فرمایا تھا لیس عند ربک صباح ولا مساء.

هنا موطن فرق الزمان ثباته

على حالة ليست به غير تعرى

وہاں ایسا مقام ہے جہاں زمانہ اور تغیر و تبدل کا گذر نہیں ہے۔

علامہ ابن قیم کے یہ اشعار بھی پڑھتے تھے۔

قال ابن مسعود كلاما قد

حكاه الدارمي عنه بلا نكران
ما عنده ليل ولا نهار قلت
تحت الفلك يوجد فان
نور السماوات العلى من نوره
والأرض كيف النجم والقمران
من نور وجه الرب جل جلاله
كذا حكاه الحافظ الطبراني

یہی مراد اس حدیث کی ہے إن الله لا ينام ولا ينبغي له أن ينام، يخفض القسط ويرفعه، ويرفع إليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل الليل، حجابه النور، فهذه حضرة فوق الليل والنهار كما في روح المعاني، روح المعانی میں واشرقت الأرض بنور ربها دیکھنا چاہیے۔

وإن جهنم لمحيطة بالكافرين میرے نزدیک یہ محقق ہو گیا کہ معانی آخرت میں مجسد ہو جائیں گے، شیخ اکبر کی بھی یہی تحقیق ہے چنانچہ فتوحات میں لکھا ہے۔ اور دوانی نے اپنے رسالہ الزوراء میں آیت بالا سے اس کو تقویت دی ہے یعنی اب بھی جہنم محیط ہے لیکن آنکھوں سے مستور ہے اور حشر میں یہ سب کچھ منکشف ہو جائے گا، فكشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد

بندوق کا شکار

درس بخاری شریف میں فرمایا تھا کہ مجھ سے بعض احباب نے مدینہ منورہ میں یہ مسئلہ پوچھا تھا کہ بندوق کا شکار کیا ہوا جائز ہے یا ناجائز؟ میں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں جواب لکھا تھا، حاصل یہ کہ بندوق کی گولی توڑتی ہے زخم نہیں کرتے اتو یہ وقیذ کے مشابہ ہوا، گو مالکیہ کے ہاں جائز ہے بہر حال اگر بندوق کا شکار زندہ مل جائے تو ذبح کرنا چاہیے مگر مر جائے تو کھانا ناجائز ہے۔

☆☆☆

علم الفرائض پر ایک طویل نظم

فروض میں حضرت شاہ صاحب کشمیری کی ایک نظم ہے، ۹۲ (بانوے) اشعار ہیں، ابتدائی شعر اس طرح ہیں

بعد حمد خدا و نعت رسول
بشنو از انور علوم وصول
مال میت چو مستحق العین
بعد تجهیز و دفن و دادن دین
هم پس از عزل ثلث موصی به
ذی فروض مقرره را ده

عصبہ بعد ازاں بعد بعد مال
بعد ازاں رد بذی فروض سکال
بعد ازیں دو فریق اے معام
وارث مال دان ذوی الارحام

موانع ارث

مانع ارث آمدہ اند چہار
رق و قتل اختلاف دین و دار
لیک قتلے کہ بالسبب باشد
مانع ارث کس نمی باشد

یہ بھی پہلے درس بخاری شریف ۱۳۲۸ھ ۱۳۲۹ھ میں سنایا تھا، پھر تو مراد آباد میں مدرسہ فخریہ میں جب مولانا فخر الدین صاحب مدرس تھے کچھ اضافات کے ساتھ طبع کرا دیا تھا اور ''النور الفائض علی نظم الفرائض'' عنوان رکھا۔

☆☆☆

نماز کے لئے رغبت

حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہ فرماتے تھے کہ مولانا سید انور شاہ صاحب ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہی سے عرض کیا حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آ جائے۔ حضرت گنگوہی نے فرمایا ''اور رہ ہی کیا گیا''، سبحان اللہ نماز ہی کی فکر رہی۔

☆☆☆

اختلاف میں اتحاد

ارشاد ہوا دو شریف آدمی مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود آپس میں مل جل کر شریفانہ زندگی گزار سکتے ہیں۔

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کا تبحر علمی

حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے القاسم شوال ۱۳۳۰ھ ص:۱۲۰ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

شوال ۱۳۳۰ھ سے ایک وظیفہ رفیق دار العلوم دیوبند پچاس روپے ماہوار کا مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کو دیا جائے گا جنہیں عظیم الشان جلسہ دستار بندی ۱۳۲۸ھ میں سب سے پہلے دستار فضیلت ملی، اور علوم شریعت میں

تجرد اور زہد و تقویٰ میں سلف صالحؒ کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں"۔

عبداللہ ناظم الانصار دارالعلوم دیوبند

نقش حیات میں حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، رسالہ القاسم، رشید کی پرانی فائلیں دیکھنے سے بہت کچھ مواد مل سکتا ہے۔

☆ فرمایا قل ادعوا الذین زعمتم من دون الله لا یملکون مثقال ذرة فی السماوات ولا فی الأرض
ابوعبداللہ رازی کہتے ہیں جو مذہب کہ معتقدین الی الشرک ہیں وہ چار ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا کیا اور زمین اور ارضیات کو ان کے حکم میں کر دیا، اور ہم ارضیات میں سے ہیں اس لئے ہم کواکب اور ملائکہ کو پوجتے ہیں جو کہ آسمانی ہیں، اور وہ ہمارے الٰہ ہیں، اور اللہ ان کا معبود ہے لہٰذا ان کا قول باری تعالیٰ نے رد کر دیا ﴿لا یملکون مثقال ذرة فی السماوات﴾ کما اعترفتم، ﴿ولا فی الأرض﴾ کما زعمتم

(۲) آسمانوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مستقل، اور زمینوں اور ارضیات کا خالق ہے بواسطہ کواکب، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عناصر پیدا کئے،

اور جو ترکیبات ان میں ہیں اتصال اور حرکات اور طوالع اس لئے انہوں نے شریک قرار دیئے اللہ تعالیٰ کی زمین میں، اور پہلوں نے زمین کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ رد فرمادیا ما لهم فیهما من شرک ای الأرض کالسماء لله لا لغیره فیهما من نصیب

(۳) وہ جو قائل ہیں اس بات کے کہ ترکیبات تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے سپرد کر دیا ستاروں کے، اور حوادثات کا انتساب ان دینے والے کی طرف کیا جاتا ہے نہ کہ ان کی طرف، اور فقد آسمانوں ہی کو منسوب باری تعالیٰ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے باطل قرار دیا، اس کلام سے وما لهم منهم من ظهیر

(۴) بعض کہتے ہیں ہم اصنام کو پوجتے ہیں جو ملائکہ کی تصویریں ہیں تاکہ ہماری شفاعت کریں، پس اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا، لا تنفع الشفاعة جملہ الشفاعة میں الف لام ظاہر ہے کہ عموم کے لئے ہے، اور شفاعت سے مراد شفاعت تمام مخلوقات کی ہے، بعض کہتے ہیں کہ الف لام عہد کے لئے ہے یعنی شفاعت ملائکہ کی جن کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

☆ فرمایا إن الله لا یغفر أن یشرک به ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء جو موت علی الکفر کی عدم مغفرت قرآن پاک میں باربار ذکر فرمائی گئی ہے چنانچہ آل عمران میں ہے

﴿إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل من أحدهم ملء الأرض ذهبا ولو افتدى به أولئك لهم عذاب أليم وما لهم من ناصرين﴾ (الآية) اور اس سے قبل بھی یہی مضمون فرمایا گیا ہے نیز سورۃ نساء میں فرمایا گیا ہے ﴿ولا الذين يموتون وهم كفار أولئك أعتدنا لهم عذابا أليما﴾ وغیرها من الآیات

بعد اس آیت کے ساتھ اس کا ذکر چھوڑ دیا گیا، کیوں کہ دو چیزیں ہیں اگرچہ شرعا حکم شرک کا بھی کفر ہی ہے کیوں کہ ان دونوں میں تغیر نہیں ہے کیوں کہ شرک، اقرار الوہیت کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے، چنانچہ مشرکین عرب ایسے ہی تھے۔ اور کفر کبھی تو وجود باری تعالیٰ سے ہوتا ہے، اور کبھی اس کے رسولوں کے انکار سے بھی کفر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آیت میں شرک کو ذکر فرمایا ہے اس لئے یہاں پر عنوان شرک کا رکھا، اور قرآن میں رعایت عنوان کی اور لغت کی اہم ہے۔

☆ فرمایا اشراک باللہ کی کئی اقسام ہیں (۱) اشراک فی العبادۃ، (۲) اشراک فی الصفات، (۳) اشراک فی الطاعۃ۔

اشراک فی العبادۃ کہ عبادت غیر اللہ کی کرے، لیکن اس کو معبود یقین کرے یا نہ کرے، جیسے مشرکین عرب کہتے تھے ﴿ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى﴾

اشراک فی الطاعۃ یہ ہے کہ تحلیل الحرام میں اور تحریم حلال میں غیر

اللہ کا کہنا مان لے، جیسا کہ حضرت عبدالقادر دہلوی نے متنبہ کیا ہے، جیسا کہ نصاریٰ اربابا من دون اللہ مانتے تھے یہ بھی ایک نوع شرک کی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر نے اس کو اشراک فی الطاعۃ فرمایا ہے۔

وحدت دعوت انبیاء

فرمایا ابن رشد نے "تہافت التہافت" میں فرمایا ہے کہ تعلیم قیامت تورات سے قبل نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں بلکہ تعلیم قیامت تو نبوت سے و ادیان سماویہ کی اور شرائع انبیاء کی اساس ہے، تو ضروری ہے کہ اس کی تعلیم بھی شروع سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، کیوں کہ شرائع اگرچہ بدلتی رہی ہیں لیکن اصل تو تبدیل نہیں ہوئی۔ تفسیر میں ہے کہ حرمت خمر یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ہے، ہاں ان نقول کے انتقاد کی ضرورت ہے، تو قیامت کا عقیدہ جو کہ اصول دین سے ہے پہلے سے کیوں نہ موجود ہوگا۔

تعظیم مفرط پر نکیر

جس روز بہاول پور تشریف فرما ہوئے ظہر کی نماز ایک چھوٹی سی مسجد میں ادا کرنے کے بعد مولانا فاروق احمد صاحب سے فرمانے لگے، یہ مجمع کیوں ہے؟ جواب دیا یہ لوگ حضرت کی زیارت کے لئے آئے ہیں، فرمایا زیارت کسی اللہ تعالیٰ کے پاک بندے کی کرنی چاہئے، ہم تو عام آدمی ہیں،

خیر بیٹھے میں ایمان اور اسلام اور اذکار کے متعلق کچھ سنانا چاہتا ہوں، پھر اس پر وعظ فرمایا، قرآن و حدیث پیش فرماتے گئے، پھر مولانا فاروق احمد صاحب حضرت سے فرمانے لگے کہ مولانا غلام محمد صاحب دین پوری حضرت شاہ صاحب سے ملنے آئے ہیں، مکان پر تشریف فرما ہیں، تو عرض کر دے کہ وعظ بند کر دیں، میں نے کہا کہ میں تو جرأت نہیں کر سکتا، ہم دونوں ایک دوسرے کے کان میں بات کر رہے تھے حضرت نے فوراً وعظ بند کر دیا اور دعا فرما کر باہر تشریف لے آئے، راستے میں عرض کیا کہ مولانا دین پوری تشریف لائے ہوئے ہیں مکان پر پہنچ کر ملاقات فرمائی، اور معانقہ کیا حضرت دین پوری پر رقت نے زور کیا، بہت روئے، پھر پلنگ پر سرہانے کی طرف حضرت دین پوری کو بٹھانے لگے، حضرت نے اصرار کیا کہ آپ ہی ادھر بیٹھیں۔

حضرت شاہ صاحب نے تکیہ حضرت دین پوری کی طرف رکھ دیا کہ آپ تکیہ لگا کر بیٹھیں، خود بھی بیٹھ گئے پھر خدام حضرت دین پوری حضرت شاہ صاحب سے ملنے لگے پہلے پاؤں کو ہاتھ لگاتے پھر گھٹنوں کو پھر مصافحہ کرتے، ایک کو فرمایا ارے بھائی! فقط مصافحہ سنت ہے، اور دوسرے سے بھی یہی فرمایا، تیسرا آیا اس نے جب گھٹنوں کو ہاتھ لگایا تو اس کے دونوں بازو تھام لئے اور فرمایا کیا پیغمبر کی سنت سے عداوت ہی ہے؟ پرے ہٹ کر بیٹھ جاؤ، میں اس مسئلہ کو کشف کرنا چاہتا ہوں۔

پھر شرح و بسط کے ساتھ مسئلہ بیان فرمایا، کہ نماز میں جو ارکان شریعت نے رکھے ہیں ان میں قیام تو مشترک ہے، ہم ایک دوسرے کے

سامنے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی یہ چاہے کہ میں بیٹھوں اور لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ رہا رکوع تو یہ مکروہ تحریمی ہے اور سجدۂ تحیہ اور تعظیمی یہ حرام ہے۔ فقط مصافحہ سنت ہے۔

ایک صاحب نے ایک رسالہ میں سجدۂ تحیہ کا جواز لکھ کر میرے پاس ڈابھیل بھیجا، میں اردو کے رسائل کم دیکھتا ہوں، مگر ایک دو جگہ سے دیکھا، انہوں نے لکھا کہ سجدہ تحیہ کی حرمت کسی نص سے ثابت نہیں۔ حالانکہ حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ پہلے وقت سجدہ تعظیم تھی آپس کی، فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے وہ رواج موقوف کیا۔

وان المساجد للہ، اس وقت پہلے رواج پر چلنا ایسا ہے جیسا کہ کوئی آدمی بہن سے نکاح کرے، کہ آدم علیہ السلام کے وقت ہوا ہے، (سورہ یوسف کی تفسیر میں وخروا لہ سجدا کے تحت شاہ صاحب نے یہ ذکر فرمایا ہے) اور سورۃ جن میں وان المساجد للہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ "سجدے کے ہاتھ پاؤں حق اللہ کا ہے"۔

غرض سجدۂ تحیہ کی حرمت احادیث کثیرہ سے ثابت ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے مثلاً اپنے استاد کو یا کوئی اور واجب الاحترام آدمی ہو۔ (درمختار)

مولانا غلام محمد شیخ الجامعہ نے بوقت رخصت جب حضرت شاہ

صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا، تو فرمایا کہ لوگ حاجی بنائیں گے۔

لفظ قدر کی تحقیق

فرمایا فظن ان لن نقدر علیه، پس گمان کیا ہم اس پر تنگی نہیں پکڑیں گے۔ ف کما فی "فقدر علیه رزقه" پس اس پر رزق تنگ کر دیا۔ کما بینه الطحاوی فی مشکله۔

رؤیت انبیاء مشاہدہ ہے

والشجرة الملعونة فی القرآن شجر ملعونہ کے ذکر کو معراج سے اس لئے ملا دیا کہ یہ بھی کفار کا ایک مطعن تھا، جیسے کہ معراج میں ان کو اعتراض تھا، چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے کہ کفار کہتے تھے کہ آپ کیسے راتوں رات بیت المقدس تک ہو آئے، اور شجرہ کے متعلق کہتے تھے کہ سبز درخت آگ میں کیسے ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آگ کا کام تو جلانا ہے۔ خدا کی قدرت کو سب کچھ آسان ہے۔

☆ فرمایا کہ عالم غیب کی چیزیں حالت یقظہ میں مشاہدہ کرنے کی تعبیر رؤیا سے کی گئی ہے، میں نے تورات میں اکثر دیکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات عالم یقظہ میں ہوئے، یہاں لفظ اکثر استعمال کیا گیا ہے

تورات ہی میں ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام ایک ندی کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ایک رؤیا دیکھی، حالانکہ یہ عالم بیداری میں رؤیا تھا، فوراً مجھے تنبہ ہوا کہ یہ لفظ رؤیا انبیاء علیہم السلام کے عالم یقظہ کے مشاہدات پر بھی بولا گیا ہے، حافظ نے فتح الباری میں بھی اس پر بحث کی ہے۔
یہ ایسا ہے جیسے کشف کا لفظ صوفیہ کے ہاں، لغت میں تو کشف کے معنی وضوح کے ہیں، کسی باصرہ کے ساتھ عالم یقظہ میں دیکھنے پر بھی کشف کا لفظ بولا گیا ہے۔

☆ فرمایا کہ قادیانی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے تو شب معراج میں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی مگر آپ نے آنے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا، میں کہتا ہوں کہ یہ دھوکا ہے، اس لئے کہ ابن ماجہ میں وہ قصہ ملاقات ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام مذکور ہے، اور باہمی گفتگو بھی مذکور ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے آنے کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ (اس ابن ماجہ، ص ۳۰۹ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ علیہ السلام، عبداللہ بن مسعود راوی ہیں):

لما اسری برسول الله صلی الله علیه وسلم لقی ابراهیم وموسی وعیسی فتذاکروا الساعة، فبدء وا بابراهیم فسالوه عنها فلم یکن عنده منها علم، ثم سالوا موسی فلم یکن

عندہ من علم، فردوا الحدیث إلی ابن مریم، فقال قد عہد إلی دون وجبتہا، أما وجبتہا فلا یعلمہا إلا اللہ فذکر خروج الدجال، قال: فانزل فاقتلہ.

ایام قیام قبا کی تحقیق

فرمایا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں چودہ روز قیام پذیر رہے، چنانچہ بخاری صفحہ ۵۰۶ جلد یک میں تصریح ہے اور جو سیر محمد بن اسحاق میں ہے کہ قباء کا قیام چار دن رہا پس وہ سہو ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں داخل ہوئے منگل کے روز اور شہر مدینہ میں تشریف لائے جمعہ کے روز پس جمعہ کی ہفتہ کا شمار کر لیا گیا، اگر اعتراض کیا جائے کہ جمعہ ثانیہ کا اعتبار کرنے سے بھی حساب پورا نہیں ہوتا کیوں کہ منگل منگل آٹھ روز، بدھ جمعرات جمعہ تین دن ملکر گیارہ دن ہوگئے تو بخاری شریف میں مذکور چودہ دن پورے نہ ہوئے، جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن کا تشریف لے جانا قیام کی خاطر نہ تھا، بلکہ جمعہ کی نماز ادا کر کے واپس آجانا مقصود تھا، پھر ہفتہ، اتوار، پیر قباء میں رہ کر منگل کو مدینہ میں تشریف لائے یہ پندرہ یا چودہ روز ہوگئے۔

فضیلت حضرت ابوبکر قطعی ہے

ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر کی فضیلت امام اشعری کے نزدیک قطعی ہے اور امام باقلانی کے نزدیک ظنی ہے، میں کہتا ہوں کہ اشعری کا فرمانا اصوب ہے کیوں کہ اس کثرت سے احادیث اس باب میں مروی ہیں جن سے تواتر ثابت ہو جاتا ہے بلکہ تواتر سے بھی فوق، ایسی ہی فضیلت شیخین بھی ثابت ہے پھر ترتیب بھی قرابت کے برعکس ہے پس جو اقرب ہے زیادہ وہ آخر ہے العصبیت میں، اس طرح کہ علی عثمان، عمر ابوبکر۔ نیز افضلیت میں صدیق اکبر اقدم ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی کرم اللہ وجہہ۔

امتناع قراءۃ خلف الامام

بخاری جلد اول ص ۵۲۳ میں ہے کہ فاروق اعظم پہلی رکعت فجر کی نماز میں سورۃ یوسف یا نحل پڑھتے تھے حتی کہ لوگ جمع ہو جاتے تھے پھر رکوع کرتے، معلوم ہوا کہ جو لوگ رکوع کے قریب ملتے تھے وہ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے، پس مدرک رکوع مدرک رکعت ہوا، پھر فاتحہ خلف الامام کہاں گئی، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ حتی یجتمع الناس.

توسل فعلی وقولی

بخاری میں قول عمرؓ ہے اللهم إنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا یہ توسل فعلی ہے، رہا قولی توسل تو ترمذی میں ہے اگلی کی حدیث تک ہے اللهم إني أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إلى قوله: فشفعه في.

(ف) یہ حدیث ترمذی کے علاوہ زاد المعاد میں بھی ہے، اور صحیح فرمائی ہے، مستدرک حاکم میں بھی ہے حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے، ذہبی نے حاکم کی تصحیح کی تصویب کی ہے۔

فقہاء سبعہ مدینہ

فرمایا فقہائے سبعہ مدینہ ان کے نام مبارک یہ ہیں

الا كل من لا يقتدي بأئمة

فقسمته ضيزى عن الحق خارجة

فخذهم عبيد الله عروة قاسم

سعيد أبو بكر سليمان خارجة

پس وہ عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، عروہ بن قاسم ابن محمد بن ابی بکر الصدیقؓ۔ سعید بن المسیب، ابو بکر بن عبد الرحمن، سلیمان بن یسار مدنی مولیٰ میمونہؓ، خارجہ بن زید بن ثابت انصاریؓ۔ اگر کوئی ان اسماء کو کاغذ پر لکھ

کر چھت سے تعویذ باندھ دے تو چھت کی لکڑی کو کیڑا نہیں لگتا۔

لفظ دون کی ادبی تحقیق

فرمایا واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر من القول بالغدو والآصال. اس میں دون الجهر معطوف واقع ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ ذکر جہر کا بھی جواز ہے، اور دون بمعنی ذرا کم یعنی جہر مفرط سے ذرا کم، فقہاء کا جہر مراد نہیں بلکہ لا يحب الله الجهر بالسوء من القول کے قبیل سے ہے مثلا ولا تجهروا له بالقول، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چیخ کر نہ بولو، جیسے اعراب بولتے تھے، جیسے ويغفر ما دون ذلك یعنی جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہوگا اسے بخش دے گا۔

ولنذيقنهم من العذاب الأدنى دون العذاب الأكبر یعنی تھوڑا عذاب جو ورے ہے اس بڑے کے۔

ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما یعنی پھر دو رکعتیں ادا فرمائیں جو کہ پہلی دو رکعتوں سے کم طویل تھیں۔ غرض ثابت فقہاء کے جہر کی جو چیخ کر بولنے سے ذرا کم ہوتا ہے۔

سنن ابی داود ص ۲۶۳ میں ہے فإن أفتانا بفتيا دون الرجم قبلناها پس اگر انہوں نے فتوی دیا رجم سے کم سزا کا تو ہم اس کو قبول کرلیں گے، (اسعد القدیہ ص ۱۲۸) وغیرہ غرض یہ کہ جہر مفرط کی نفی ہے مطلقا

جہر کی نفی نہیں۔

(ف) حضرت عبداللہ ذوالبجادین تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر جہر کرتے تھے، حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے شکایت بھی کی کہ یہ شخص ریاکار ہے فرمایا إنه من الأواهين اور خود حضرت عمرو بن عبسہ کے ایمان کے واقعہ میں رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لا الہ الا اللہ کا کعبہ میں بلند آواز سے ذکر فرمانا آیا ہے کعبہ شریف تو مساجد میں افضل ہے کتب سیرت میں مصرح ہے۔ (اسد الغابہ ص ۱۶۱) (محمد عفا اللہ عنہ)

فرمایا بزازیہ میں کلام مضطرب کیا ہے اور شامی میں تفصیل کی ہے

مختصر المعانی ص: ۱۸۵ میں ہے:

ومعنى دون في الأصل أدنى من الشيء، يقال: دون ذلك إذا كان أحط منه قليلا (ترجمہ) دون اصل میں کسی شی کا کم درجہ کا ہونا "هذا دون ذلك" وہاں بولتے ہیں جب وہ شے دوسری کی نسبت سے تھوڑی سی کم ہو۔

لاہور میں ایک شخص کو تلقین ذکر کرتے وقت زور سے ضرب لا الہ الا اللہ کی لگا کر دکھائی، دیوبند میں احقر جن حضرات کو بیعت کی غرض سے لے جاتا تھا جہر سے ذکر کرنا تلقین فرماتے تھے۔

اعجاز قرآنی

ایک دفعہ فرمایا کہ قرآن مجید وحکیم کا اعجاز مفردات اور ترکیب وترتیب کلمات اور متعدد حقائق کی جملہ وجوہ سے ہے، مفردات میں ہے کہ قرآن مجید وہ کلمہ اختیار فرماتا ہے جس سے اوفی بالحقيقة واوفی بالمقام سارے انس وجن بھی نہیں لا سکتے، مثلاً جاہلیت کے عقائد میں موت کے لئے توفی کا لفظ درست نہ تھا کیونکہ ان کے عقیدے میں نہ بقاء جسد تھی نہ بقاء روح۔

توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہوسکتی، قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا، اور بتلایا کہ موت سے وصول بقا ہوتی ہے نہ فنا محض، اس حقیقت کو کلمہ توفی سے کشف کر دیا اور کہیں کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔

وجعلوا لله شركاء الجن ظاہر قیاس یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی وجعلوا الجن شركاء لله لیکن مراد یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے شریک ٹھہرائے کوئی معمولی جرم نہیں کیا، خدا کو جن کا شریک قرار دینے کا، مطلب یہ ہے کہ خدا کی عظمت اور کبریائی کو جن کا ہم رتبہ قرار دے دیا، پس یہ مراد اسی ترتیب اور نشست الفاظ سے حاصل ہوسکتی ہے۔

مقصد قرآنی کی تشریح

مقاصد سے میری مراد مخاطبین کو سبق دینا ہے، جیسے کہ علماء کرام نے اسماء حسنی کے شروع میں لکھا ہے مقاصد قرآن حکیم کے وہ ہونے چاہئیں جن سے مبدا اور معاش اور معاد، اور فلاح دنیا و آخرت وابستہ ہو۔

کچھ ابتدائی دور سے متعلق

ریل گاڑی میں بہادرپور سے براستہ راجپورہ واپسی دیوبند کے سفر میں مجھے فرمایا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حاکم سے لیتے ہیں اور حاکم دارقطنی سے لیتے ہیں، حضرت سے عرض کیا کہ سنن کبریٰ بیہقی پر علامہ ماردینی بیہقی کے لفظ لفظ پر بھی گرفت کرتے جاتے ہیں، فرمایا اس کی نظر چوکی نہیں۔

فرمایا میں نے عمدۃ القاری کا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ کی خدمت میں صحیح بخاری شروع کرنے سے ایک سال پہلے ہی مطالعہ کر لیا تھا، اور فتح الباری کا مطالعہ درس بخاری کے سال میں کیا تھا، مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری فرماتے تھے کہ قسطلانی کی ارشاد الساری شرح بخاری کا مطالعہ بھی اسی سال کیا کرتے تھے، خود فرماتے تھے کہ میرے مطالعہ کی رفتار تیزی ہوتی تھی کہ دو دو سو ورق مطالعہ کر لیتا تھا۔

مولانا محدث محمد اسحاق کشمیری سے میں نے صحیح مسلم، سنن نسائی، ابن ماجہ پڑھی ہیں، وہ تلمیذ مولانا خیر الدین آلوسی کے ہیں وہ اپنے والد سید

محمود آلوسی صاحب روح المعانی کے ہیں۔ ''الجواب الفسیح لما لفق عبد المسیح'' اور ''بلوغ الارب وجلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین''، اور بھی بڑی نفیس کتب کے مولف ہیں، الجواب الفسیح تو احقر کے پاس بھی ہے، حضرت شاہ صاحب اس کی بڑی تعریف فرمایا کرتے تھے، احقر نے ایک دفعہ امرتسر، ور لاہور کے درمیان عرض کیا کہ علامہ خیر الدین آلوسی کی ایک کتاب رد عیسائیت میں ہے، لاہور شاہ عالمی دروازے پر میں نے چھ آنے میں خرید کی تھی، فوراً فرمایا الجواب الفسیح ہے؟ میں حیران رہ گیا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب کشمیری کا انتقال مدینہ منورہ میں ۳۲۲ھ میں ہوا، فرماتے تھے یک میرے استاد تھے، اتنا رعب تھا کہ میں تھک جاتا تھا لیکن گھٹنا نہیں بدلتا تھا۔ اب تو طالب علم اس کو کہتے ہیں کہ خوب شوخ وشنگ ہو، میں تو حضرت شیخ الہند کے سامنے کبھی بولتا نہ تھا چپ سنتا رہتا تھا۔

فرمایا حضرت شیخ الہند سے ہدایہ کے آخری دو جز بھی میں نے پڑھے ہیں۔

فرمایا ایک میرے استاد محدث حسین الجسر طرابلسی بھی ہیں، ان کا سلسلہ علامہ ابن عابدین شامی اور علامہ طحطاوی سے ملتا ہے، رسالہ حمیدیہ انہی کی تصنیف ہے، اس کا رد انتقاء جز کامل تھا، فرمایا میں نے حضرت مولانا گنگوہی سے بھی پڑھا ہے، جب میں اپنے وطن کشمیر جانے لگا تو گنگوہ حاضر ہوا تھا، مدرسہ امینیہ کی واپسی پر ہوا تھا۔

مولانا نیموی

ایک دفعہ میں گنگوہ حاضر ہوا تو "جامع الآثار" مؤلفہ مولانا نیموی حضرت گنگوہی کے ہاں آیا ہوا تھا۔ کسی غیر مقلد نے اس پر اعتراضات کئے تھے۔ تو حضرت گنگوہی نے فرمایا کہ غیر مقلد کے اعتراضات بے جا ہیں، میں نے جامع الآثار کی حمایت میں بھی مولانا نیموی کو لکھا تھا، مولانا نیموی کے خطوط دہلی میں بھی میرے پاس آتے تھے۔

تقویٰ کے معانی

ایک بار فرمایا کہ تقویٰ ایمان پر بھی بولا گیا ہے ﴿والزمهم كلمة التقوى﴾ توبہ پر بھی اطلاق ہوا ہے، ﴿ولو ان اهل القرى آمنوا واتقوا﴾ طاعت کے معنی پر بھی بولا گیا ہے۔ ﴿ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون﴾ ترک گناہ پر بولا گیا ہے۔ ﴿واتوا البيوت من ابوابها واتقوا الله﴾ کبھی اخلاص کے معنی بھی دیتا ہے، ﴿فانها من تقوى القلوب﴾ حضرت شاہ عبد العزیز نے اس پر خوب لکھا ہے۔

حضرت مرحوم کے تعلقات دوسرے بزرگوں سے

۱۹۳۳ء کی بات ہے حضرت اقدس کندیاں والے اپنے خلیفہ مولانا محمد عبداللہ صاحب کے گاؤں سیم پور تشریف لائے تھے، احقر کو حضرت مولانا

عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھ کر تو بھی آ کر حضرت کی زیارت کرے، تو احقر اور دو ساتھی جو ہمارے مدرسہ رائیکوٹ ضلع لدھیانہ میں مدرس تھے، تینوں مولانا عبداللہ صاحب کے گاؤں میں گئے، بعد مغرب پہنچے حاضری ہوئی حضرت اقدس قدس سرہ کی خدمت میں مولانا عبداللہ صاحب نے تعارف کرایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کا خادم اور میر استاد ہے۔ حضرت اقدس کندیاں والے اٹھ کر معانقہ کر کے ملے۔ بہت مسرت کا اظہار فرمایا، فرمایا حضرت شاہ صاحب بڑے کاملین میں سے تھے، اب ہماری پیاس کو کون بجھائے گا؟ طلبہ کو تو حدیث پڑھانے والے مل ہی جائیں گے لیکن ہماری مشکلات کو کون حل کرے گا۔

فرمایا جب میرا لڑکا دیوبند پڑھتا تھا تو میں بھی دیوبند حاضر ہوا تھا اس وقت حضرت شاہ صاحب ہی حدیث کے مدرس تھے، لڑکے نے اپنے کمرہ میں حضرت شاہ صاحب اور حضرت مولانا مرتضیٰ حسن کی دعوت کی، دونوں حضرات تشریف لائے، مولانا مرتضیٰ حسن صاحب سے چونکہ پہلے سے بے تکلفی تھی، لیکن حضرت شاہ صاحب سے مجھے تو ادب رہا، پھر جب مولانا حسین علی صاحب نے میانوالی میں دعوت کا کہہ دی، اور حضرت میانوالی تشریف لے گئے میں بھی وہاں موجود تھا، میں نے اپنے یہاں تشریف لے چلنے کو عرض کیا تو بخوشی منظور فرمالیا۔

پھر ہمارے ہاں تشریف لائے تو میں نے کتب خانہ کی زیارت کرائی جس سے حضرت کا دل باغ باغ ہو گیا، پھر میں نے لوگوں کو باہر نکال دیا، اور

حضرت شاہ صاحب نے خوب کتب خانہ کی سیر کی، "تیسیر الاصول" حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجھ سے دو ماہ کے لئے مستعار دیوبند لے گئے۔ اور پھر دو ماہ کے بعد واپس فرمائی، اور مجھے خط میں تحریر فرمایا کہ جتنا عرصہ آپ کے ہاں قیام کیا میں اسے مغتنمات زندگی میں سے سمجھتا ہوں، وہ خط میں نے محفوظ کر کے رکھ چھوڑا ہے، افسوس کہ قیام خانقاہ سراجیہ (کندیاں) میں صرف ایک دن رہا، حضرت شاہ صاحب کے پاس وقت کم تھا اگلے روز حضرت شاہ صاحب کی تصانیف کا ذکر فرماتے رہے۔ فرمایا میں نے حضرت کی تصانیف کا بطور مطالعہ کیا ہے، پھر احقر نے عرض کیا کہ "ضرب الخاتم علی حدوث العالم" اور "مرقاۃ الطارم" بھی حضرت کے پاس ہیں۔ فرمایا وہ تو ہم نے تبرکاً رکھ چھوڑی ہیں اس میں دقیق ابحاث ہیں۔ پھر احقر رخصت لے کر چلا آیا، پھر مولانا عبد اللہ صاحب تو بار بار ملتے رہے۔ لیکن حضرت کندیاں والوں کی زیارت نہ ہو سکی، پھر سنا کہ کانپور میں حضرت کا وصال ہو گیا ہے، تابوت کندیاں لایا گیا پھر ایک رسالہ میں حضرت کا وصیت نامہ پڑھا۔ اور مولانا عبد اللہ صاحب کو جانشین اور کتب خانہ کا منتظم بنانا بھی پڑھا ہاں حضرت کندیاں والوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اور لوگوں نے تو استفادہ کیا افسوس کہ میں چونکہ کھانے کے انتظام میں تھا میں استفادہ نہ کر سکا۔

کسی نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ انہوں نے (حضرت اقدس کندیاں والوں نے) ایک رسالہ لکھا ہے خضاب کے متعلق، میں جب حاضر ہوا تو فرمایا کہ آپ نے کوئی رسالہ خضاب کے متعلق لکھا ہے عرض کیا

ہاں کچھ لکھا تو ہے، فرمایا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں، میں نے نکال کر پیش کیا غور سے دیکھتے رہے، پھر کچھ فرمایا نہیں۔

ایک دفعہ ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں مولانا عبد اللہ صاحب تشریف لائے تو حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائپوری نے فرمایا کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں کتنا عرصہ رہے، تو مولانا عبد اللہ صاحب نے فرمایا کہ چودہ سال قیام کیا۔

جب احقر ۱۹۲۲ء میں لدھیانہ مدرسہ عزیزیہ میں پڑھاتا تھا تو مولانا عبد اللہ صاحب نے احقر سے تہذیب اور شرح تہذیب، شرح ملا جامی، کنز الدقائق پڑھی تھی۔ پھر احقر لاہور چلے گئے تھے ۱۹۲۶ء میں حدیث دیوبند حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے پڑھی۔

مولانا عبد الغنی صاحب کی خدمت میں اس احقر ہی نے ذکر کیا کہ حسن کو مولانا محمد نذیر صاحب عرشی شارح مثنوی نے تحفہ سعدیہ میں درج کیا ہے لیکن افسوس شاید الفاظ مولانا عبد الغنی صاحب کو یاد نہیں رہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کو حضرت مولانا عبد الغنی صاحب میرکوٹلہ پر بڑی شفقت تھی۔ ایک دفعہ لدھیانہ مدرسہ بستان الاسلام کے جلسہ میں تشریف لائے، مولانا بدر عالم میرٹھی بھی ساتھ تھے۔ مولانا بدر عالم صاحب احقر کے دیوبند میں رفیق ہیں، مدینہ منورہ بارہا ملاقات ہوئی ہے، مولانا عبد الرشید مرحوم سے فرمانے لگے مولانا عبد الرشید صاحب یہ مولانا عبد الغنی صاحب ہمارے دوست ہیں، یہ علماء آخرت میں سے ہیں۔

ایک دفعہ مالیر کوٹلہ کے جلسہ میں تشریف لائے احقر نے عرض کیا کہ
حقیر بفضلہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کا پیرو ہے۔ اور بیعت حضرت شیخ الہند
رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر کی ہے، اور حدیث اپنے حضرت شاہ
صاحب کشمیری سے پڑھی ہے، خدا کے کرم سے امید کرتا ہوں کہ بخشا جاؤں گا
بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس مجلس میں حضرت شاہ صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ مولانا عبد
الحق اگلی صبح کو سویرے ہی بخاری شریف لے کر خدمت مبارکہ میں حاضر
ہوئے کہ حضرت مجھے بھی شاگردی میں لے لیں اور بخاری شریف شروع
کرادیں۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے قبول فرمایا اور ابتدائی حدیث
شروع کرادی۔ اور اجازت بھی دے دی۔

قرآن کریم میں تنسیخ آیات

فرمایا کہ قرآن میں نسخ کے متعلق قدماء میں بھی بہت توسع ہے کہ ان
کے نزدیک عام کی تخصیص اور خاص کی تعمیم بھی نسخ ہے، ایسے ہی مطلق کی تقیید
اور تقیید کا اطلاق اور استثناء اور ترک استثناء بھی نسخ ہے، ایسے ہی حکم کا انتہا
اس کی علت کے انتہا کی وجہ سے بھی اس میں داخل ہے، متاخرین کی سعی اسی
میں رہی کہ نسخ میں کمی ثابت کی جائے حتیٰ کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ
علیہ نے صرف بیس آیات کو منسوخ مانا ہے، اور ہمارے اکابر میں حضرت شاہ
ولی اللہ محدث دہلوی نے صرف پانچ جگہ نسخ تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو الفوز

الکبیر)

میرے نزدیک قرآن متلو میں کوئی آیت بالکلیہ منسوخ نہیں کہ اس کا
کوئی عمل ہی نہ نکل سکے، بلکہ اس کا حکم کسی مرتبہ میں مشروع ضرور رہے گا۔

فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فتح العزیز میں لکھا ہے کہ اگر
ہم باری تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح کا اعتبار کریں تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ
زمانہ، مکان، اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہوتی رہتی ہیں چنانچہ دوا گرم
مزاج مزاج بارد اور موسم بارد میں مفید ہوتی ہے، اور مزاج گرم اور موسم گرم
میں مضر ہوتی ہے۔ اور چونکہ زمانہ ازل سے ابد تک اوقات جزئیہ پر منقسم
و موزع ہے، ظہور و خفا، سابق اور لاحق، اعدام ایجاد وغیرہ یہ سب کچھ
ہمارے اعتبار سے ہے، یعنی بہ نسبت اہل زمان اور زمانیات کے اعتبار سے
ہے، لیکن باری تعالیٰ کی نسبت سے تو ہر چیز اپنے وقت پر واقع ہے بغیر تغیر
و تبدل کے۔

حاصل یہ ہے کہ علم ازلی میں ہر ایک چیز کی ایک انتہا ہے، لیکن
مکلفین اس غایت اور انتہا کو نہ سمجھتے ہوئے اپنے حول کے قرائن سے گمان
کر لیتے ہیں کہ یہ حکم دائمی ہے جب باری تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کی انتہا
ظاہر ہوتی ہے سمجھتے ہیں کہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا، اور دوسرا حکم اس کا ناسخ ہے۔
مکلفین چونکہ قاصر العلم ہیں یہ تقدم اور تاخر اور یہ تجدید و تغییر ان
کے اعتبار سے ہے لیکن باری تعالیٰ کے اعتبار سے یہ سب کچھ اپنے وقت
مقررہ پر ہے کچھ تغیر و تبدل تقدم و تاخر نہیں، اور یہ معاملہ صرف احکام شرعیہ ہی

میں نہیں بلکہ ہر شے میں جاری وساری ہے، اور جو کوئی اس نسخۂ وجود کا، کہ یہ
انتہا، حوادث متعاقبہ پر مشتمل ہے، بنظر غائر مطالعہ کرے گا سمجھ لے گا کہ اس کا
پڑھنے والا ایک ایک سطر اس کتاب کی پڑھ کر جا رہا ہے اور کلمہ بعد کلمہ اس کی
زبان سے گزر رہا ہے، جب چند سطور یا کلمات ختم ہوتے ہیں تو چند سطور اور
کلمات سامنے آ جاتے ہیں، جو منقضی ہو گیا وہ وجود لفظ سے محو ہو گیا، جو کلمات
بعد میں آئیں گے وہ وجود لفظ کی لوح پر ثابت ہو جاتے ہیں، یہ محو و اثبات
ہمیشہ جاری رہتے ہیں اس کو کتاب المحو والاثبات کہتے ہیں۔ اور اگر اس مجموعہ
کو بہیئت اجتماعی (کہ علیم و حکیم نے مبادی اور مقاطع کے ساتھ مرتب کیا
ہے) ملاحظہ کرے گا، یعنی بغیر تلاوت اور یکے بعد دیگرے کلمات کے آنے
سے اس کو "ام الکتاب" کہتے ہیں، یہیں سے اس آیت مبارکہ کے معنی بھی
کھل گئے یمحو اللہ ما یشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب، بعض
محققین اس مجموعہ دفعی کا "مرتبہ قضاء" نام رکھتے ہیں، اور ظہور تدریجی کو مرتبہ
قدر کہتے ہیں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں (لا مشاحۃ فی الاصطلاح)

بعض لوگ نسخ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے بدا لازم
آتا ہے۔ اور ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ بدا اور چیز ہے اور نسخ اور چیز
ہے، کیونکہ نسخ تو حسب اوقات مختلفہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کا نام ہے، بدا
یہ ہے کہ باری تعالیٰ پر غیر ظاہر مصلحت ظاہر ہو گئی، بدا میں تو غیر ظاہر مصلحت کا
ظہور ہے پس فرق ظاہر ہو گیا، نسخ بدا کو تو تب مستلزم ہوتا جب اتحاد فعل، اتحاد
وجہ، اتحاد مکلف، اتحاد وقت ہو اس قسم کا نسخ تو محال ہے کہ ان چار شرائط کے

ساتھ واقع ہو کیونکہ نسخ میں یا فعل مختلف ہوتا ہے مثلاً عید کے دن کا روزہ رکھنا
ممنوع ہو گیا، اور نماز عید کی واجب ہو گئی۔ یا وجہ فعل کی بدل جاتی ہے مثلاً پہلے
صوم یوم عاشوراء واجب تھا پھر منسوخ ہو کر مستحب ہو گیا۔ یا مثلاً وقت مختلف
ہوتا ہے، مثلاً استقبال بیت المقدس ایک زمان میں تھا اور استقبال کعبہ شریف
دوسرے زمانہ میں تا ابد ہو گیا، فول وجھک شطر المسجد الحرام،
خود ظاہر کرتا ہے۔ یا مکلفین بدل جاتے ہیں، مثلاً مال زکوٰۃ بنی ہاشم پر حرام
ہے، اور ان کے غیر کو حلال ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ قرآن عزیز میں کوئی حرف زائد نہیں کہ جس کو معنی
کی تصویر میں دخل نہ ہو، بہاولپور کے مقدمہ کے سفر میں فرمایا کہ میں نے
ایک نعتیہ کلام میں مستدرک حاکم کی ایک حدیث ہی بعینہ رکھدی ہے

اے آنکہ ہمہ رحمت مہداۃ قدری
باران صفت و مکرمت ابر مطیری

انما رحمۃ مہداۃ حدیث شریف ہے مستدرک حاکم میں یہ حدیث
موجود ہے۔ پھر کچھ اشعار بھی سنائے (اور مشکوۃ میں بھی ہے)

معراج تو کرسی شدہ و سبع سماوات
فرش قدمت عرش بریں سدرہ سریری
بر سر فرق جہاں پایۂ پائے تو شدہ ثبت
ہم صدر کبیری و ہمہ بدر منیری

ختم رسل، نجم سبل، صبح ہدایت
حقا کہ نذیری تو والحق کہ بشیری

آدم بصفت مظہر وذریت آدم
در شکل نوایت کہ امامی و امیری

یکتا کہ بود مرکز ہر دائرہ یکتا
تا مرکز عالم تو کی بے مثل ونظیری

ادراک ختم است کمال است بخاتم
عبرت بخواتیم کہ در دور اخیری

امی لقب وہ عرب مرکز ایمان
ہر علم وعمل را تو مداری ومدیری

عالم ہمہ یک مختص کبیر است کہ اجمال
تفصیل شدوند درین دہر صغیری

ترتیب کہ رتبی ست چو دا کردہ شدوند
در عرصہ اسراء تو نظمی دبیری

حق است وحقے است چو ممتاز زباطل
آن دین نبی ہست اگر پاک ضمیری

آیات رسل بودہ ہمہ بہتر و برتر
آیات تو قرآن ہمہ دانی ہمہ گیری

آن عقدہ تقدیر کہ از کسب نہ شد حل
حرف تو کشودہ کہ خبیری وبصیری

اے ختم رسل اسپ تو خیر امم بود
چون ثمرہ کہ آید ہمہ در فصل اخیری

کس نیست ازیں امت تو آنکہ چو انور
بارو ئے سیاہ آمدہ ومومے زریری

☆☆☆

ایک دفعہ جب ابھی حضرت شاہ صاحب دار العلوم دیوبند ہی میں تھے، احقر زیارت کی غرض سے حاضر ہوا، مولانا حافظ غلام محمد لدھیانوی خطیب مسجد جہانیاں منڈی، ضلع ملتان کو خدمت میں حاضر کرکے عرض کیا کہ اگر حضرت قصائد عربی وفارسی عنایت فرمادیں تو یہ مولوی صاحب اعلیٰ درجہ کے کاتب ہیں یہ لکھ دیں گے اور احقر طبع کرادے گا، لوگوں کو اس سے علمی استفادہ کا موقع مل جائے گا، بہت خوش ہوئے فرمایا کہ میں انہیں تھوڑے تھوڑے دیتا رہوں گا یہ جوں جوں کتابت کرتے جائیں گے میں دیتا جاؤں گا، پھر ڈابھیل جانے کا اتفاق پیش آگیا، اور وہ تجویز یوں ہی رہ گئی، مولانا غلام محمد صاحب بھی بیمار ہوکر وطن تشریف لے آئے۔ مگر میرے خیال میں رہا کہ یہ کام ہوجائے تو بے نصیب، لیکن خدا تعالیٰ کو منظور یہ تھا، کہ حضرت کا مرض بواسیر ترقی کرگیا، تا آنکہ مئی ۱۹۳۳ء مطابق ۳ صفر

۱۳۵۳ھ میں وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پھر ۱۹۳۶ء میں مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کا والا نامہ لدھیانہ سے مجھے رائیکوٹ ملا، بعینہ درج کیا جاتا ہے۔

محترم و مکرم!

السلام علیکم۔ برادر عزیز مولوی سید محمد ازہر شاہ صاحب قیصر نے حضرت استاد مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند عربی و فارسی قصائد میرے پاس بھیجے ہیں تاکہ میں ان کو طبع کرا دوں یا ان کا کسی تاجر سے معاملہ ہو جائے مگر یہ خدمت تب ہی ہو سکتی ہے کہ ان تمام قصائد کا اردو زبان میں ترجمہ اور شرح بھی ہو جائے اور باقاعدہ مرتب بھی ہو جائے، اس کام کو آپ سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا، اگر تکلیف نہ ہو تو یہ خط دیکھتے ہی ایک دن کے لئے تشریف لے آئیں تاکہ میں بتا سکوں کہ میں اس سلسلے میں کیا چاہتا ہوں۔ والسلام۔

از لدھیانہ حبیب روڈ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۶ء

حبیب الرحمن

ان ہی ایام میں حضرت اقدس رائے پوری کا والا نامہ آیا تھا، کہ حضرت مدنی کے امیدواروں کو کامیاب بنانا ہے میاں تاج الدین انصاری اور جمعیۃ العلماء کے نمائندے یکے بعد دیگرے آنے لگے، احقر کو کھینچ تان

کر لے گئے، احقر کئی روز تو گھر سے باہر دیہات ہی میں پھرتا رہا، میرے پاس دیوبند سے حضرت مدنی بھی تشریف لائے اور ساتھ لے گئے۔

مولانا محمد علی جالندھری کے بھی خطوط آنے لگے اور کئی بار احقر کو اوگی ضلع جالندھر جانا پڑا، یہ احقر کا آبائی گاؤں بہت بڑی بستی ہے۔ مولوی محمد علی جالندھری کا پہلا پولنگ اسٹیشن تھا، پھر تھوڑے دنوں کے بعد ملک میں فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور ملک بدل گیا اور سارا انتظام ہی درہم برہم ہو گیا۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب بھی اگر علماء التفات فرمائیں تو یہ کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ تقریر دلپذیر حضرت نانوتوی قدس سرہ کی اور ''اکفار الملحدین'' اور ''عقیدۃ الاسلام'' حضرت شاہ صاحب کے اور ''صدع النقاب عن جساسۃ الفنجاب'' اور ''ضرب الخاتم'' جب تک داخل درس نہیں کریں گے طلبہ پر مسائل اور عقائد کی حقیقت نہیں کھل سکتی، صحیح رنگ میں حل مسائل کا جب ہی ہوگا۔

ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ایک ایک شعر ضرب الخاتم کا حل کیا ہے۔ افسوس وہ خطوط ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، جو حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر اقبال کو تحریر کئے۔ بعض خطوط تو تیس تیس صفحات پر چھپے ہوئے تھے، معلوم نہیں کہ علمی ذخیرہ کہاں کھویا گیا، خود فرماتے تھے، جتنا استفادہ مجھ سے ڈاکٹر محمد اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب علوم قرآن و حدیث پر کافی دسترس رکھتے تھے اور

مولانا میر حسن صاحب سیالکوٹی مرحوم سے باقاعدہ پڑھا تھا۔

حضرت کا قصیدہ "مدائح الشعراب" جب حضرت مولانا احمد علی لاہوری کا پہلا جلسہ ۱۹۲۳ء میں ہوا اور تمام علماء دیوبند کا اجتماع ہوا تو مولانا محمد ادریس سیکروڈوی خادم حضرت شاہ صاحب، حضرت شاہ صاحب کی تصانیف بھی ساتھ لاہور لے گئے یہ قصیدہ بہت فروخت ہوا، لوگوں نے اس کو استحسان کی نظر سے دیکھا، وہ یہ ہے

(چند شعر بطور نمونہ از خروارے درج کئے جاتے ہیں) قصیدہ ۶۱ (اکسٹھ) شعر پر مشتمل ہے۔

آلا یا عباد اللہ قوموا قوموا
خطوبا الممت مالھن یدان

اے اللہ کے بندو اٹھو اور ناقابل برداشت مصائب ٹوٹ پڑے ہیں ان کو درست کرو۔

بسب رسول من اولی العزم فیکم
تکاد السماء والارض تنفطران

ایک اولو العزم پیغمبر کو تمہارے اندر برا بھلا کہا جا رہا ہے جس سے قریب ہے آسمان اور زمین پھٹ پڑیں۔

وحارب قوم ربھم ونبیھم
فقوموا لنصر اللہ اذ ھو دان

اور ایک قوم نے اپنے خدا اور نبی سے لڑائی باندھی ہے تم اللہ کی مدد کے

لئے کھڑے ہو جاؤ جو کہ نزدیک ہے۔

ولقد عیل صبری فی انتھاک حدودہ
فھل ثم داع او مجیب اذان

اور خدا کی حدود توڑے جانے کے باعث میرا صبر مغلوب ہو گیا ہے کوئی اس جگہ بلانے والا یا میری آواز کا جواب دینے والا؟

واذ عز خطب جئت مستنصرا بکم
فھل ثم غوث یا لقوم یدان

اور جب مصیبت حد سے بڑھ گئی تو میں تم سے مدد چاہتا ہوں اے میری قوم ہے کوئی فریاد رس جو میرے قریب ہو۔

لعمری لقد نبھت من کان نائما
واسمعت من کانت لہ اذنان

قسم ہے مجھے کہ میں نے سوتے کو جگایا اور جس کے کان تھے اس کو سنایا۔

ونادیت قوما فی فریضۃ ربھم
فھل من نصیر لی من اھل زمان

اور قوم کو اس کے خدا کے فریضہ کی طرف بلایا، پس ہے کوئی جو میرا مددگار ہو زمانے والوں میں سے۔

دعوا کل امر استمروا لمادھی
وقد عاد فرض العین عند عیان

سب کچھ چھوڑ دو اور جو مصیبت درپیش ہے اس کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر آنکھ کھول کر دیکھا جائے تو ہر شخص پر فرض عین ہو گیا ہے۔

پھر اگلے اشعار میں دلائل اور شواہد ذکر فرمائے گئے ہیں، یہ قصیدہ اس لائق ہے کہ علماء طلباء کو یاد کرائیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام اعمش نے ایک صاحب کو تعزیت نامہ لکھ کر بھیجا۔

إنا نعزيك لا ان على ثقة
من البقاء ولكن سنة الدين
فلا المعزى بباق بعد ميتة
ولا المعزي إن عاشا إلى أحين

(ترجمہ) ہم آپ کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ہماری زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن یہ سنت ہے دین کی، پس نہ تو معزی باقی رہے گا اپنی میت کے بعد نہ تعزیت کرنے والا، اگرچہ ایک زمانے تک جیتے رہیں۔ (آخر سب کو موت ہے)

جب قضا ٹھہری تو پھر کیا سو برس یا یک دن (محمد غفرلہ)

فرمایا حافظ ابو زرعہ رازی نے فرمایا کہ جرجان میں آگ لگنے سے ہزارہا گھر جل گئے، قرآن بھی جلے لیکن یہ آیات نہ جلیں۔

﴿ذلك تقدير العزيز العليم﴾، ﴿وعلى الله فليتوكل المؤمنون﴾، ﴿ولا تحسبن الله غافلا عما يعمل الظالمون﴾،

﴿وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها﴾، ﴿وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه﴾، ﴿تنزيلا ممن خلق الأرض والسماوات العلى، الرحمن على العرش استوى، له ما في السماوات وما في الأرض وما بينهما وما تحت الثرى﴾، ﴿يوم لا ينفع مال ولا بنون إلا من أتى الله بقلب سليم﴾، ﴿ائتيا طوعا أو كرها قالتا أتينا طائعين﴾، ﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾، ﴿إن الله هو الرزاق ذو القوة المتين﴾، ﴿وفي السماء رزقكم وما توعدون، فورب السماء والأرض إنه لحق مثل ما أنكم تنطقون﴾.

☆ فرمایا تجربہ ہے کہ آیات مذکورہ لکھ کر کسی برتن میں بند کر کے دوکان گھر یا سامان میں رکھ، حفاظت کے لئے مجرب ہے۔

☆ فرمایا کہ ایک آدمی یا کئی آدمی مل کر ہر سورت کی آخری آیت پڑھ کر پانی پر دم کریں تو علاج مرض کے لئے مفید ہے، یہ ایک سو چودہ دم ہو گئے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بعض علاقوں میں بھیجا، مثلاً ابو الدرداء کو شام کی طرف تعلیم

کی خاطر بھیجا تھا، اور حضرت ابن مسعودؓ کو کوفہ کا بیت المال سپرد کیا، اور حضرت عمارؓ کو امامت کے لئے بھیجا تھا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا امیر بنایا تھا، اور حضرت فاروق اعظمؓ نے کوفہ کو چھاؤنی بنایا تھا۔ اور فتح القدیر میں لکھا ہے کہ ایک قرقیسا میں چھ سو صحابہ آباد تھے۔ الحاصل صحابہ کرام مختلف بلاد میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم و تلقین اسلام کو پھیلانے کے لئے نکل گئے تھے۔

سو اگر مالکیہ کو فخر ہے اس بات پر کہ ان کا امام دار الہجرۃ کے رہنے والے تھے تو ہمیں بھی یہ مسلم ہے کہ واقعی امام مالک امام دار الہجرۃ تھے، لیکن امام ابو حنیفہؒ کو بھی اس میں فوقیت حاصل ہے کہ اکثر صحابہ عراق میں بس گئے تھے، اور وہیں علم نحو مدون ہوا، کہتے ہیں کہ اس کی ابتداء حضرت علی مرتضیٰؓ سے ہوئی، آپ نے ایک آدمی کو سنا کہ یہ آیت ان اللہ بری ء من المشرکین ورسولہ، میں رسولہ کو کسرہ سے پڑھ رہا تھا تو آپ کو فکر ہوئی کہ امت کو ان مہالک سے کیسے بچایا جائے؟ تو آپ نے ابو الاسود دؤلی کو فرمایا کہ ایک قانون بیان کرو کہ خطا لفظ سے لوگ محفوظ رہیں، پھر خود آپ نے اس کو ایک اصول بتایا کل فاعل مرفوع، وکل مفعول منصوب وکل مضاف الیہ مجرور۔

پھر فرمایا انح نحوہ، پھر ابو الاسود دؤلی نے اس کی تدوین افعال تعجب سے شروع کی، حضرت علیؓ نے تصویب فرمائی، پھر حروف مشبہ بالفعل لکھے، مگر لکن چھوڑ گئے، حضرت علیؓ کے فرمانے پر اس کو بھی لکھا، غرض حنفیہ کو بھی فضیلت ہے۔

☆ فرمایا کہ یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے "انما اراکم من وراء ظھری" یہ یقیناً بطور معجزہ تھا، یہی ثابت ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے، اور فلسفہ جدیدہ نے ثابت کر دیا ہے کہ قوۃ باصرہ تمام اعضاء انسانی میں ہے۔

☆ ارکعوا اور اقیموا الرکوع میں فرق ہے ثانی جمع ہے، اس لئے کہ یہ لفظ وہاں مستعمل ہوتا جہاں لمولاہ لانعدم لشیء مراد ہوتا ہے، لہذا ترجمہ قول یقیمون الصلاۃ کا یہ کریں گے کہ برپا رکھتے ہیں نماز کو حتی کہ اگر برپا نہ رکھے تو اس کی ہستی جاتی رہتی۔

☆ ہمارے نزدیک اور حنابلہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ سبحانک اللھم وبحمدک بعد تکبیر کے پڑھے، اور مسلم شریف میں آیا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کو جہراً پڑھا ہے، یہ محض تعلیم تھا، امام شافعی کے نزدیک مختار اللھم باعد ہے یہ سند کے اعتبار سے قوی ہے، اور جو ہمارا مختار ہے وہ قوۃ تعامل کے اعتبار سے قوی ہے، اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی وہی پسند کرتا ہوں جس کو حضرت عمرؓ نے پسند فرمایا۔

☆ یہ بھی خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ قوت سند پر اعتماد اور تعامل سلف سے اغماض بہت دفعہ مضر ثابت ہوا ہے کہ اسناد تو دین کی صیانت کے لئے تھی پس لوگوں نے اسی کو پکڑ حتی کہ تعامل سے غماض ہوتا چلا گیا حالانکہ میرے نزدیک فیصلہ تعامل سے ہی ہو سکتا ہے۔

☆ فرمایا کہ سورۂ مزمل میں نصفہ بدل واقع ہو رہا ہے اللیل سے، یہی ہے کہ ثلث تو عشاء کے لئے مخصوص کیا گیا نصف سے جب قلیل کی کمی کی گئی تو ثلث رہ گیا اور اگر نصف میں زیادتی کی تو ثلثین قیام لیل کے لئے رہ گیا، اور منہ اور علیہ کی ضمیریں نصف کی طرف عود کرتی ہیں، بہر حال محور نصف لیل ہے یہی کلبی اور مقاتل سے منقول ہے، اور تبریزی سے بھی منقول ہے کہ ما دون الثلث قلیل ہے، حدیث میں ہے کہ الثلث کثیر، گویا عبارت یوں ہے

قم اللیل الا قلیلا نصفه او انقص منه قلیلا أو زد علیه
ای أوقع القیام فی هذا الوقت المعلوم علی هذه الصور

قرآن عزیز نے پہلے سے ثلث لیل عشاء کے لئے لے لیا چنانچہ ثلث لیل تک نماز عشاء مستحب ٹھہرائی گئی، کما فی الاحادیث باقی علم اس کے ماسواء کی طرف پھیرا گیا ور اس کا محور نصف لیل رکھا گیا، اور اس پر کم کرنا یا زیادہ کرنا دائر کیا گیا۔ گویا اپنی طرف سے تو نصف ہی مقرر کرتے ہیں اور اس سے کچھ کم کرنا یا زیادہ کرنا مصلی کو مخیر رہ دیتے ہیں ومن اللیل فتهجد

به نافلة لك میں بھی کل لیل کا احصا مطلوب نہیں۔

☆ فرمایا کہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وتر کی روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وتر بھی پڑھا ہے، یہ روایت دار قطنی میں مختصر آئی ہے اور امام بخاری نے اس کو مفصل ذکر کیا ہے۔
شیخ نیموی نے اسے ایک وتر کی دلیل بنایا ہے امام بخاری نے اس میں تیرہ رکعت صلاۃ اللیل ذکر کی ہیں ان دونوں کی ایک ہی سند ہے، ایک ہی متن ہے، یہ راوی کا تعنت ہے جب جمیع طرق حدیث جمع نہ کئے جائیں تو ایسا مغالطہ لگ جاتا ہے۔

☆ فرمایا یایها المزمل (الآیۃ) میں رات کے تین حصے کر دیئے، ثلث تو عشاء کے لئے خاص کر دیا اور ثلث لیل آخر نوافل کے لئے پھر سدس لیل کو دونوں کے لئے صالح بنایا، اگر اس میں عشاء ادا کی تو نصف لیل عشاء کے لئے ہو گیا، اور اگر نوافل ادا کئے تو دو ثلث لیل ہو گئے، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو چاہیئے کہ نصف مد نظر رکھیئے تا کہ آپ تقسیم کر سکیں (رات کو تقسیم کر سکیں عشاء اور صلاۃ اللیل میں) نصف میں جب سدس لیل مل گیا تو دو ثلث نوافل کے لئے نکل آیا، خوب سمجھ لینا چاہیئے۔ حضرت شاہ صاحب کثر اوقات یہ تقریر فرمایا کرتے تھے۔

☆ جب احقر حضرت کے وصال پر دیوبند حاضر ہوا تو غالباً مفتی عتیق الرحمن فرماتے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدرآباد دکن تشریف لے گئے تو مولانا حبیب الرحمن شیروانی صدر یار جنگ زیارت کے لئے تشریف لائے ان کے سوال پر تقریر فرمائیں اور یا ایہا الرسول کی تفسیر فرمائی، مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا کہ حضرت بس مسئلہ خوب ذہن نشیں ہو گیا مجھے بڑا اضطراب رہتا تھا اب صاف ہو گیا۔

مفتی عتیق الرحمن نے بیان فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کے سفر آخرت فرمانے سے چند یوم قبل در دولت پر حاضر ہوا فرمایا کہ میں نے کبھی پیشگوئی نہیں کی۔ اب تو دو باتیں ذہن میں آگئی ہیں عرض کئے دیتا ہوں۔ ایک یہ کہ حضرت شیخ الہند کے علوم کی خوب اشاعت ہوگی دوم ہندوستان ضرور آزاد ہوگا اس لئے کہ مظالم کی انتہا ہوگئی۔ یہ جب کی بات ہے جب کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال کا تار آیا، اور ایک ساتھی کے ہمراہ دیوبند حاضر ہوا تھا یہ واقعہ راجکوٹ ۱۹۳۳ء کا ہے۔

☆ ۱۳۳۸ھ میں جب شیخ الہند ہندوستان میں واپس تشریف لائے اور مولانا سراج احمد صاحب نے چند اشعار فرمائے تھے، (مولانا مرحوم اردو کے بہترین شاعر بھی تھے) دیوان حماسہ تو حفظ یاد تھا، کئی ماہ تشریف آوری سے قبل فرما دیا تھا

شیخ آنے کو ہے ساتھ ان کے قبی آنے کو ہے

قبی سے مراد مولانا حسین احمد مدنی ہیں۔ دیوبند کے ایک تعزیتی جلسہ میں حضرت مدنی نے فرمایا تھا

حال من در ہجر حضرت کمتر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری ہوئی تو ایک مخلوق جمع ہوگئی پنجاب سے ہزاروں علماء زیارت کے لئے دیوبند پہنچے، سندھ کے مشائخ میں سے حضرت مولانا تاج محمود امروٹی بھی تشریف لائے تھے، یہ بزرگ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے مربی تھے، مولانا احمد علی کا بھی ان سے تعلق تھا۔

ف حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مترجم قرآن مجید تو خوب اشاعت پذیر ہوا، بجنور کے مطبوعہ قرآن مجید میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا، منشی محمد قاسم مدھیانوی مرحوم جن کا مولانا مجید حسن صاحب سے انتخاب کیا کتابت عربی رسم الخط کے استاد تسلیم کئے گئے تھے۔ صحت کا بھی التزام کیا گیا ہے۔ دوسری کئی ایڈیشن شائع ہوئے، لیکن وہ خوبی نظر نہیں آئی جو بجنور کے طبع شدہ قرآن عزیز میں تھی۔ ہانگ کانگ میں بھی ایک ایڈیشن شائع ہوا، کاغذ تو نہایت اعلیٰ لگایا گیا لیکن صحت کا التزام نہیں کیا گیا پھر بھی غنیمت ہے لاہور میں تاج کمپنی نے بھی اعلیٰ معیار پر شائع کیا ہے، ماہور، جہرہ سے قاری عبدالرشید مالک نورانی پریس نے بھی اس کو شائع کیا ہے۔ لیکن وہ بجنور والی بات کہاں؟

دوسری بات جو حضرت شاہ صاحب نے فرمائی تھی وہ بھی پوری ہوگئی، کاش انڈیا والے اس کی قدر کرتے۔ ۱۹۲۷ء میں مئی کے اواخر میں جب کشمیر طویل رخصت پر تشریف لے جارہے تھے گوجرانوالہ دو دن قیام فرمایا، مولانا عبدالعزیز صاحب محدث گوجرانوالہ سے بدائع الفوائد ابن قیم کی مستعار طلب کررہے تھے کہ مولانا حسین احمد صاحب حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے ترجمہ قرآن پر فوائد لکھیں گے، مولانا ہم سے پوچھتے تھے تو وعدہ کرلیا تھا کہ ہم سامان آپ کو دیں گے مولانا عبدالعزیز نے یہ کتاب تازہ مصر سے منگائی تھی، اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں دکھانے کے لئے پیش کررہے تھے۔

یہ بھی فرمایا قسطنطنیہ سے مولانا عبیداللہ سندھی کا ہمارے پاس خط آیا ہے کہ امام بقاعی کی کتاب ''اسلک الدرر فی نسق الآیات والسور'' آیات اور سورتوں کی ترتیب میں بہترین ہے، ایک زمانے میں ہم نے بھی یہ کتاب دیکھی تھی بڑی عمدہ کتاب ہے، لیکن مصنف چونکہ معتزلی العقیدہ ہے اس لئے مجھے چنداں پسند نہیں، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری قدس سرہ بھی کئی بار تشریف لاتے رہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی بھی دو بار تشریف لائے، حضرت شیخ الہند ترجمہ القرآن کا مقدمہ خود زبان مبارک سے سناتے تھے، ان دنوں احقر دورہ کی جماعت میں شامل تھا، بیعت بھی چونکہ حضرت شیخ الہند سے تھی اس لئے کئی بار دن میں حاضری ہوجاتی تھی۔ اور حضرت کی زبان مبارک سے کئی بار یہ مقدمہ سنا۔

میرٹھ سے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم جب تشریف لائے تو بعد عصر خوب خوش ہوکر سنا رہے تھے، ایسا ہی جب حضرت تھانوی تشریف لائے تو حضرت شیخ نے بڑے اہتمام سے سنایا۔

جب لدھیانہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے تو فرمایا ہم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی خدمت میں عرض کریں گے اور دیوبند میں بار بار مولانا شبیر احمد صاحب سے عرض کیا کہ سلف کے طریق پر ایک تفسیر لکھنی چاہیئے جس میں موجودہ فتن کا رد ہو، دس پارے میں لکھتا ہوں اور دس دس آپ حضرات لکھیں، یا مولانا خلیل احمد صاحب کی بجائے مولانا شبیر احمد صاحب لکھیں پھر اس کو یورپ میں اعلیٰ کاغذ اور اعلیٰ طباعت سے شائع کیا جائے، تاکہ موجودہ دور میں ان فتن خصوصاً قادیانیت کا رد بھی ہوجائے اور محمد علی لاہوری کے دجل پر دنیا مطلع ہوسکے۔

پارسال ۱۹۶۳ء میں حقر کے نام جنوبی افریقہ سے متعدد خطوط آئے کہ ہم نے ایک سوسائٹی ترجمۃ القرآن کرنے کے لئے بنائی ہے، یہاں کی زبان یا تو افریقی ہے یا لوگ اکثر انگریزی بولتے ہیں خاص کر یورپین لوگ اسلام کو سمجھنے کے لئے قرآن کا انگریزی ترجمہ چاہتے ہیں، آپ مشورہ دیں کہ ہم کون سا قرآن منتخب کریں؟ احقر نے ان کو لکھا کہ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ کا قرآن شائع کریں اور ایسے عالم دین سے انگلش میں ترجمہ کرائیں جو دینی علوم کا بھی ماہر ہو، اور انگریزی زبان پر پوری دسترس رکھتا ہو تاکہ عقائد

اوران کا انگریزی ترجمہ کرنے میں دھوکہ نہ کھائے۔

الحمدللہ! ان لوگوں نے کروڑوں روپے سے یہ کام شروع کیا ہے خدا کرے تکمیل کو پہنچ جائے، اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے خواب کی تعبیر عملی جامہ پہن لے، اس اہم بات کو جس کے پاس بیان فرماتے اس وقت آپ کو بڑی ہی رقت ہوتی۔ اللھم برد مضجعه

☆ بہاولپور کے مقدمہ میں شہادت کے لئے جب تشریف لے گئے تو ان دنوں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مولانا احمد سعید صاحب دہلوی سنٹرل جیل ملتان میں تھے۔ حضرت نے بڑی لجاجت کے ساتھ دونوں حضرات سے ذکر کیا، مولانا احمد علی صاحب سے لاہور میں تاکید فرمایا کہ یہ کام ضرور کرو، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی مرحوم حضرت رائپوری کو سنارہے تھے۔ (یہ لدھیانہ ہی کی بات ہے جب حضرت رائے پوری ۱۹۳۱ء میں لدھیانہ تشریف لے گئے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ میرے مکان پر لاہور سے اپریل ۱۹۳۳ء واپسی پر تشریف لائے، وزیر تعلیم عبدالحئی ایڈووکیٹ حضرت کی زیارت کے لئے آئے، تو حضرت نے فرمایا کہ وزیر صاحب کچھ فارسی کا بھی ذوق ہے؟ عرض کیا ہاں کچھ ہے۔ تو فوراً خاتم النبیین کا مسودہ نکال کر سنانے لگے، پھر فرمایا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو دین محمدی کی کچھ خدمت کرجائیے۔

وہ منظر بھی آنکھوں کے سامنے ہے کہ جب بعد مغرب تابوت

حضرت شیخ الہند کا دہلی سے دیوبند اسٹیشن پر آیا، غالباً ربیع الاول ۱۳۳۹ھ تھا، تمام اکابر ساتھ تھے حضرت شاہ صاحب کے آنسو نہیں تھمتے تھے، طلباء و اہل دیوبند کا اس قدر ہجوم تھا کہ شمار کرنا مشکل تھا، جوں ہی ریل گاڑی بعد مغرب اسٹیشن دیوبند پہنچی سب کی بے ساختہ چیخیں نکل گئی، نہایت ادب کے ساتھ تابوت شریف باہر لایا گیا، اسٹیشن سے مدرسہ تک آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، تابوت اٹھائے ہوئے تھے، اور روتے ہوئی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے دردولت کی طرف آرہے تھے۔

حضرت شاہ صاحب بھی ساتھ ہی ساتھ روتے ہوئے تشریف لارہے تھے۔ خود فرماتے ہیں ولم ار مثل الیوم کم کان باکیا یعنی اس دن کتنے لوگ رو رہے تھے۔ ایسا نظارہ میری آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔

پھر ایک دن تعزیتی جلسہ ہوا، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت تھی سب ہی اکابر نے مرثیے پڑھے، حضرت شاہ صاحب کھڑے ہوئے آنسو جاری تھے۔ وہ قصیدہ یک عربی مرثیہ جو فصل الخطاب کے آخر میں لگا ہوا ہے پہلے وہ پڑھا۔

فما نبک من ذکری مزار فدمعا

مصیفا ومشتا ثم مرأى ومسمعا

قد احتفه الالطاف عطفا وعطفة

وبورک فیه مربعا ثم مربعا

پھر فارسی کا طویل قصیدہ پڑھا سب حاضرین وقف گریہ وبکا تھے۔

بگذر از یادِ گل و گلبن کہ ہیچم یاد نیست

در زمین و آسماں جز نامِ حق آباد نیست

بر رواں رہرواں ہاں رحمتے بفرست باش

حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

شرح حال خود نمودن شکوہ تقدیر نیست

نالہ بر سنت نمودن نوحہ فریاد نیست

پھر فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی سنت کے مطابق حزن وملال کا اظہار کیا ہے حضرت صدیق اکبر نے بھی مرثیہ پڑھا ہے اس لئے آنسو بہانا یا غم کا اظہار کرنا بدعت نہیں ہے، صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

(ف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے، حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر آپ نے فرمایا تھا، بما بفراقک یا ابراهیم لمحزونون اور آنسو جاری تھے طویل قصیدہ بے حد دردناک رقت انگیز۔

☆ ١٩٣٩ء کے مارچ کے مہینہ میں لاہور میں خدام الدین شیرانوالہ گیٹ مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کیا، اس میں حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

لدھیانوی نے ولولہ انگیز تقریر کی، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس کے شیخ کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے تو حضرت شاہ صاحب کشمیری اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مظفر گڑھ کے جلسہ میں یہ عطاء اللہ صاحب بوقت شب میرے پاس آئے اور کہا کہ مجھے کچھ ذکر اذکار تلقین کیجئے ہم نے ان کو کچھ پڑھنے کے لئے بتادیا۔ پھر میں نے کہا کہ کچھ رد قادیانیت کے سلسلے میں سپاہیانہ خدمت کیجئے، لہذا، میں آپ صاحبان کے سامنے ان کو امیر شریعت مقرر کرتا ہوں، آپ حضرات کو بھی ان کا اتباع کرنا چاہیے، سید عطاء اللہ صاحب کھڑے رو رہے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کشمیری کے بھی آنسو جاری تھے، بلکہ تمام مجمع پر رقت کا عالم تھا ہمارے حضرت رائے پوری بھی فرمارہے تھے کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور سید عطاء اللہ شاہ صاحب کو حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رد قادیانیت پر لگایا۔

مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب خود حضرت رائے پوری کی خدمت میں سنا رہے تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوگیا تو میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ حضرت تھانوی نہایت شفقت سے ملے اور مجھے بغل میں لے کر مسجد کے حوض سے سہ دری میں جہاں حضرت تھانوی بیٹھتے تھے لے گئے، میں نے عرض کیا کہ حضرت' اب آپ ہی ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں، ہمارے سرپرست تو رخصت ہوگئے تو حضرت تھانوی فرمانے لگے اجی شاہ صاحب کے کیا کہنے میں تو مولانا، نور

شاہ کے وجود کو اسلام کی حقانیت کی دلیل سمجھتا ہوں، جیسا کہ امام غزالی کے متعلق لکھا ہے۔

مولانا خیر محمد صاحب نے میانی افغانان ضلع ہوشیارپور کے سفر میں جب کہ ہم دونوں وہاں جلسہ میں گئے تھے تو مولانا نے راستے میں بیان فرمایا تھا، یہ ۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے تقسیم ملک سے پہلے کی بات ہے مولانا حج کو جا رہے تھے۔ قولہ تعالیٰ ﴿بلی من کسب سیئة واحاطت به خطیئته فاولئک اصحاب النار هم فیها خالدون﴾ اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول ﴿لن تمسنا النار إلا أياما معدودة﴾ بیان کی، اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے عقائد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشا تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی کے دو مرتبے رکھے ہیں، ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا اتباع واجب جانتا ہو، ہاں عمل میں مخالفت کرتا ہو، مثلاً یقین سے جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے یا ہی زنا، چوری وغیرہ بھی حرام ہے، کبائر ہیں لیکن طبعی تقاضے کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے، اس مرتبہ کا نام فسق و فجور و عصیان ہے۔ العیاذ باللہ۔ اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے۔ لیکن وہ ایک مدت مقررہ عند اللہ کے بعد ختم ہو جائے گا عذاب دائمی نہیں ہوگا، کیونکہ اس کا یقین اور اعتقاد رائیگاں نہیں جائے گا، بلکہ عذاب سے نجات عطا فرمائے گا، یعنی عذاب دائمی نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو مثلاً جو چیز کہ نفس

امر (حقیقت) میں ثابت ہے خواہ وہ قسم الہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ کے متعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان نہ ہو، یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو، اس کو ملحد اور کفر، زندیق اور عناد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کی وعید سنائی گئی ہے، اسی کو کہتے ہیں الفاسق لا یخلد فی النار، چونکہ حضرت حق کے زمانے میں صرف یہود تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی عبادت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا۔ اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا، اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا، اور کہہ دیا کہ ﴿لن تمسنا النار إلا أياما معدودات﴾ حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس طرح رد کر دیا کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر لیا ہوا ہے ﴿أتخذتم عند الله عهدا أم تقولون على الله ما لا تعلمون﴾ کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں۔

پس نص صحیح غیر ماؤل جس کو عہد کہتے ہیں اس باب میں مفقود تھی، اور تاویلات اعتقادیات اور اصول دین میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ بھی کہ اس تحقیقی بیان سے ان کے شبہے کو حل فرما دیا کہ ﴿بلی من کسب سیئة واحاطت به خطیئته﴾ کہ فساد علم و عمل اور خرابی عقیدہ و اعمال اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ برابر مقدار بھی ایمان باقی نہ

رہے، موجب خلود فی النار کا ہے جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو بظاہر کلمہ گوئی
ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو، یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ معصیت کی
قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے، زبان ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد
ہو جائے کہ ہمارے ڈرانے کے لئے یہ دھمکی دی ہے، والعیاذ باللہ ثم
العیاذ باللہ

مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے
تفصیل سے لکھا ہے ﴿واتبعوا ما تتلوا الشیاطین﴾ یعنی انہوں نے
اتباع کیا اس کا جس کو پڑھتے ہیں شیاطین سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے
اب تک۔ ﴿وما کفر سلیمان﴾ یعنی سحر اور اس کا مادہ کفر ہے یا مثل کفر
کے ہے، ﴿وما انزل علی الملکین﴾ الخ اس کا عطف سحر پر ہے،
اس سے یہ ضروری نہیں کہ جو کچھ ہاروت و ماروت پر اترا تھا وہ سحر ہی تھا، بلکہ
عطف تو مغایرت پر دلالت کرتا ہے، محض لفظوں میں قرآن کے باعث یہ
وہم ہوتا ہے بلکہ وہ ایسے علم میں سے تھا جس کا مادہ شر نہ ہو بلکہ نتیجہ اس کا شر
ہوتا ہے، مثل ادویہ طبیہ مثلا (اسبغول اس کا لعاب پیتے ہیں مگر اس کو
چبائیں تو زہر ہو جاتا ہے) یا جیسے کہ عمل سفلی کرتے ہیں کسی کو ہلاک کرنے
کے لئے حالانکہ کسی کو جان سے مار دینا یہ تو حرام ہے۔ ﴿حتی یقولا انما
نحن فتنۃ فلا تکفر﴾ وہ دونوں یہ کہتے تھے کہ تو کفر نہ کر، یعنی ہم سے
سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہ کرنا، جس کا نتیجہ برا نکلے، اور غایت تشنیع کے
باعث اس کو کفر فرمایا گیا، اس واسطے بھی کہ وہ سحر کے ساتھ ملتبس ہوتا ہے،

مثلا کوئی وظیفہ اپنی تکلیف رفع کرنے کے لئے سیکھے، پھر اس کو استعمال کرے،
دوسروں کو ضرر پہنچانے کے لئے یہ منع ہے، تفریق زوج اور زوجہ میں تو فسق
ہے کفر نکلتا ہے۔

اور بہت کم سلف ادھر گئے ہیں، کہ ہاروت و ماروت پر تعلیم دینے
کے لئے سحر نازل ہوا تھا، بلکہ حضرت علی کے ایک اثر سے تو اسم اعظم تھا، دیکھو
جو ابن جریر نے ربیع سے نقل کیا ہے، اور اس کو ابن کثیر نے جید کہا ہے، بلکہ
تابعین کی ایک جماعت مثل مجاہد، سدی، ربیع ابن انس، حسن بصری، قتادہ،
ابو العالیہ، زہری سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حدیث مرفوع متصل صحیح سند
سے صادق ومصدوق ومعصوم سے ثابت نہیں، اور ظاہر قرآن بھی یہی
چاہتا ہے، کہ اس اجمال پر ایمان لایا جائے بغیر اطناب کے۔ اور موضح
قرآن میں یلحدون فی اسمائہ میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے
اس کو واضح ترین الفاظ میں لکھا ہے ﴿والذین یلحدون فی اسمائہ﴾
یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف بتائے ہیں وہ کہہ کر پکارو، تا کہ تم پر متوجہ ہو اور
نہ چلو کج راہ، کج راہ یہ ہے کہ جو وصف نہیں بتلائے بندہ وہ کہے، جیسے اللہ تعالیٰ
کو بڑا کہا ہے لمبا نہیں کہا، یا قدیم کہا ہے پرانا نہیں کہا، اور ایک کج راہ یہ ہے
کہ ان کو سحر میں چلانے، اپنے کئے کا پھل پا رہیں گے، یعنی قرب خدا نہ ملے
گا، وہ مطلب ملے گا بھلا ہو یا برا۔

اور یوں بھی ممکن ہے کہ اس کی تقریر کی جائے کہ یہود جو کچھ ہاروت
ماروت سے سیکھتے تھے وہ جو سحر انہوں نے شیاطین سے سیکھ رکھا تھا، ان دونوں

میں خلط ملط کرتے تھے، پس ظاہر اور غیر ظاہر کے ملنے سے خبیث پیدا ہوا، لہذا وہ دونوں یوں کہتے تھے۔ فالتفکر پس یا ایسا ہوا جیسے تو حق تعالیٰ ﴿یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا﴾ بس یہ باعث کفر کا بالذات نہ ہوا بلکہ بالعرض ہوا، جیسے علم دین پڑھے، لیجاری به العلماء أو لیماری به السفهاء، پس وہ علم اس کے لئے وبال بن جاتا ہے۔ ایک جماعت سلف سے ادھر بھی گئی ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے۔

☆ ﴿کان الناس امة واحدة﴾ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو موضح القرآن میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے خوب واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں بھیجیں اور نبی متعدد بھیجے، اس لئے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائے، اللہ تعالیٰ کے ہاں تو ایک ہی راہ ہے، جس وقت اس راہ سے کسی طرف بہکتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے کہ ان کو سمجھائے کہ اس راہ پر چلیں پھر کتاب والے کتاب سے پھر گئے تب دوسری کتاب کی حاجت ہوئی، سب کتابیں اور سب نبی اسی ایک راہ کو قائم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ تندرستی ایک ہے اور امراض بے شمار، جب ایک مرض پیدا ہوا تو ایک دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا، اب آخری کتاب میں ایسی دوا بتلائی کہ ہر مرض سے بچاؤ ہے، یہ سب کے بدلے کفایت ہوئی۔

ہدایہ کے معنی طریق حق اور صواب کی طرف راہنمائی کرنا اور وہ ایک ہی ہوسکتا ہے، لوگوں نے اختلاف کیا، یہ مطلب ہے کہ بعض لوگ اسلام پہ رہے اور بعضوں نے ترک کردیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں لما اختلفوا فیه من الاسلام ہے، البحر المحیط۔ چنانچہ ﴿وما تفرق الذین أوتوا الکتاب إلا من بعد ما جاءتهم البینة وما امروا إلا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء﴾

(ف) معلوم ہوا کہ سب کو حنیف بننے ہی کا حکم ہوا ہے اور یہ اسلام ہی میں ہوسکتا ہے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے سے واضح ہے۔

☆ ابھی فروری ۱۹۷۵ء میں مولانا غلام نبی صاحب فاروقی شرق پور سے تشریف لائے مولانا فاضل دیوبند اور حضرت شاہ صاحب سے دورہ حدیث شریف پڑھا ہے، تقریباً ۲۳ گھنٹے قیام فرمایا، اور حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ فرماتے رہے، بڑے فاضل ہیں مردان کے علاقے کے باشندے ہیں، جب میں نے بچشم نم بہاول پور کے مقدمہ کا تذکرہ کیا اور یہ کہ حضرت نے جامع مسجد بہاول پور میں وعظ فرمایا کہ میں نے ڈابھیل جانے کے لئے سامان سفر باندھ لیا تھا کہ مولانا غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ بہاولپور کا خط پہنچا کہ تو قادیانیوں کے خلاف شہادت دینے کے لئے آ، تو ہم نے سوچا کہ ہمارا اعمال نامہ تو سیاہ ہے ہی، شاید یہی بات پیغمبر برحق کی شفاعت کا سبب بن جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار ہوکر

بہاولپور میں آیا تھا، یہ سنتے ہی مولانا بے قرار ہوگئے اور رقت طاری ہوگئی۔

جب تک حضرت شاہ صاحب بقید حیات رہے حضرت مولانا احمد علی صاحب جلسہ کرتے رہے، جب وصال فرمایا پھر کبھی جلسہ نہیں کیا جب تک دہلی قیام رہا حضرت شاہ صاحب کی زیارت کے لئے دیوبند تشریف لاتے رہے، جب لاہور تشریف لے آئے اور حضرت شاہ صاحب ۱۹۲۱ء میں لاہور انجمن تردید قادیانیت کے جلسہ میں تشریف لائے اور میاں قمر الدین صاحب مرحوم نے زیارت کی اور تقریر سنی تو حضرت سے عقیدت ہوگئی۔ پھر لاہور وزیر خان کی مسجد میں مولانا دیدار علی کی مسجد میں حضرت شاہ صاحب نے جمعہ کی نماز پڑھائی، اور بعد نماز تقریر فرمائی تو مولانا نجم الدین پروفیسر اورینٹل کالج لاہور کی دہاں تشریف فرما تھے، فرمایا مولانا نجم الدین اور مولانا احمد علی بھی ہمارے علماء میں سے ہمارے ساتھ تھے۔

سب سے اول اہل لاہور کو حضرت شاہ صاحب کی زیارت کا موقع نصیب ہوا تھا، ڈاکٹر اقبال بھی اس وقت زیارت سے مشرف ہوئے تھے، احقر کا ان دنوں دورۂ حدیث تھا، دیوبند واپس تشریف لے جا کر درس حدیث میں سارا سفرنامہ سنایا تھا۔

دسمبر ۱۹۳۲ء کے اواخر میں انجمن خدام الدین لاہور کا جلسہ ہوا، مولانا احمد علی صاحب دعوت دے کر آئے تو حضرت دو تین شب دیوبند ٹھہر کر لاہور جلسہ میں شرکت کی غرض سے تشریف لے آئے، مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں، حضرت مولانا حسین احمد مدنی بھی تشریف لائے تھے۔ یہ جلسہ بڑی شان سے

ہوا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے صدارت فرمائی اور تقسیم اسناد بھی ترجمۃ القرآن سے فارغ التحصیل علماء کو فرمائی تھی، واپسی دیوبند کے سفر میں احقر بھی حضرت کے ہمراہ تھا، امرتسر پہنچ کر کھانا کھایا، مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری جو کہ رشتہ میں بھانجے حضرت شاہ صاحب کے ہوتے تھے اور مولانا عبد اللہ صاحب فاروقی مرحوم بھی تھے، جب کھانا تناول فرمانے لگے تو ہم سب کو بھی شریک فرمایا احقر دوبارہ زمین پر بیٹھنے لگا تو نیچے کا کپڑا سرکا دیا، فرمایا اجی! اسے کیوں اٹھاتے ہو، اسے بچھا ہی رہنے دو اس کے اوپر بیٹھ جاؤ، اب تکلف چھوڑ دو بے تکلف بیٹھو۔

پھر بعد فراغت طعام احقر نے کچھ باطنی حالات سنانے شروع کئے بڑے غور سے سنتے رہے پھر فرمایا کہ حالات سب مبارک ہیں، پھر دعائیں دیتے رہے، مولانا عبد اللہ صاحب مرحوم نے دریافت فرمایا کہ مولانا عبد القادر رائے پوری نے بھی آپ سے پڑھا ہے؟ فرمایا ہاں۔

☆ امرتسر سے کسی صاحب نے پھلوں کی پیٹیاں ساتھ کر دیں، مولانا غلام مصطفیٰ کشمیری سے فرمانے لگے کہ کوئی پھل لاؤ، پھر فرمایا کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو بچے کچھ مانگتے ہیں تو اس لئے کچھ پھل خرید کر ساتھ رکھ لیتا ہوں، بعض دفعہ سہارنپور یا دیوبند ہی سے کچھ لے لیتا ہوں، بچے جب پوچھتے ہیں اجی یہ وہیں سے لائے ہیں جہاں سے آپ آ رہے ہیں تو چشم پوشی کرتا ہوں اور مسکرائے۔

☆ بہاول پور کے سفر میں تشریف لے جاتے وقت یہ فرمایا کہ یہاں پر علماء سنٹرل جیل ملتان میں مقید ہیں ان سے ملاقات کر کے آگے جانا ہے اس لئے ملتان چھاؤنی کے سٹیشن پر اتر گئے۔

صبح صادق ہو چکی تھی جب گاڑی ملتان چھاؤنی پہنچی اترتے ہی پلیٹ فارم پر مجمع کے ساتھ نماز با جماعت ادا کی، پھر مجلس احرار کے دفتر میں تشریف لائے، ان لوگوں نے وہاں چائے کا انتظام کر رکھا تھا، بہت مجمع ہو گیا بعض لوگ بیعت بھی ہوئے ان کو بیعت فرمایا، بعد نماز فجر کلمہ توحید سو بار اور بعد نماز عصر کلمہ تمجید سو بار بعد نماز عشاء درود شریف سو بار نماز کا ورد تو بہت فضیلت رکھتا ہے، یا یہ درود شریف پڑھیں **اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وصحب سیدنا محمد وبارک وسلم**، اس کو درود مشہور کہتے ہیں پھر فرمایا کہ یہ سہروردی طریقہ ہے، اس کو ورد کہتے ہیں، جب تخلیہ ہوتا تو بیعت کرتے وقت دوازدہ تسبیح چشتیہ بھی تلقین فرماتے اور اس کا طریق بھی خود کر کے دکھاتے، خوب شدومد سے اللہ اللہ اور لا الہ الا اللہ فرماتے کہ متوسط جہر کے ساتھ ذکر کرتے اس کو اذکار کہتے ہیں۔

ایک شخص نے کہا کہ مبسوط میں احادیث بہت ہیں، میری زبان سے نکلا کہ مبسوط میں احادیث مذکور نہیں وہ ایک متن فقہ کا ہے، فرمایا (ان مولوی صاحب کی طرف خطاب کر کے) کچھ ذخیرہ احادیث آپ کی نظر سے گذرا؟ احقر نے ان مولوی صاحب سے کہا کہ وہ جو آپ ذکر فرما رہے ہیں وہ تو شمس

الائمہ کی مبسوط ہے، اسکو بھی مبسوط ہی کہا جاتا ہے پھر کھانا تناول فرمایا، اور قبل ظہر ایک کوٹھی میں تشریف لے گئے جو حضرت شاہ صاحب کے ایک مرید نے بنوائی تھی۔

بعد نماز ظہر احقر سے فرمایا وہ رسالے دیجئے جو آپ نے ردِ قادیانیت میں لکھا ہے احقر نے پیش کیے، عصر تک مطالعہ فرماتے رہے، بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔ پھر بہاولپور جا کر مولانا مرتضی حسن اور مولانا غلام محمد گھوٹوی اور علماء سے اس کا تذکرہ فرماتے رہے کہ اس نے رسالہ لکھا ہے جس میں کفریات مرزا مزید جمع کئے ہیں، پھر فرمایا میں اس کو ڈابھیل سے طبع کرادوں گا، تاکہ وہاں کے طلباء یاد کریں، احقر نے عرض کیا صاف کر کے ارسال کردوں گا پھر التواء ہوتا گیا یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہو گیا۔

افسوس کہ تقسیم ملک کے وقت وہ سب کاغذات ضائع ہو گئے، مولانا نجم الدین صاحب لاہور والوں کا بیان اس سے مرتب کیا گیا تھا، مولانا محمد صادق کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا تھا ہر وقت خدمت مبارکہ میں حاضر رہتے تھے، مولانا مرحوم حضرت کے سامنے خاموش رہتے تھے، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب بھی خاموش بیٹھے رہتے (مولانا ناظم صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری)

فرمایا اہل مکہ نے کئی سال تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہنچائیں آخر خدا تعالیٰ نے انہیں آپ کے قدموں میں لا ڈالا، حتی کہ جنگ

حزاب میں جو ابوسفیان اتنی عداوت کا مظاہرہ کر رہے تھے، وہی جب ایمان لائے تو جنگ یرموک میں صفوں کے درمیان پھر رہے تھے، فرما رہے تھے، لوگو! یہ موقع روز روز ہاتھ نہیں آتے، آج وقت ہے خوب اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا ثبوت دو، خوب جوش دلا رہے تھے، تا آنکہ میدان جیت لیا۔

بہاولپوری کے تاریخی مقدمہ میں شہادت کے لئے مولانا عبد لطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارن پور بھی تشریف لے گئے تھے، حضرت شاہ صاحب کا غایت ادب تھا خاموش بیٹھے رہتے، ایک روز حضرت شاہ صاحب نے کسی صاحب سے فرمایا مولانا شمس الدین بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں معجم الطبرانی قلمی ہے وہ بھی چند یوم کے لئے درکار ہے، خواہ وہ صاحب جو مولانا کے کتب خانہ کے مالک ہوں وہاں بیٹھ کر دیکھ لینے دیں، یا ہم سے ضمانت لے کر چند یوم کے لئے مستعار عنایت فرمائیں۔ حضرت مولانا عبد لطیف صاحب چپکے ہی چلے گئے اور کتاب لے آئے لاکر پیش خدمت کر دی، فرمایا کہ میں اسی وقت چلا گیا تھا ان سے عرض کیا تھا کہ ہمارے حضرت کو کتاب کی ضرورت ہے، انہوں نے بے تامل عنایت فرمائی۔

حضرت شاہ صاحب پر بے حد اثر ہوا دیر تک اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے یہ تو بڑی عنایت فرمائی۔ فرماتے رہے پھر کتاب حقر کے حوالے کر دی، اور فرمایا اس میں سے مجھے کچھ عبارت نقل کر دے، اور نشان لگا دئے اور یہ بھی فرمایا کہ قلمی کتابوں میں عموماً اعراب اور نقطے نہیں ہوتے، علماء کو پڑھنے میں دقت ہوتی ہے، لاؤ میں آپ کو اس کا طریقہ بتاؤں۔

پھر میں نے مختلف مقامات سے بہت سی عبارات نقل کر کے پیش کیں تو بہت خوشی کا اظہار فرمایا کہ اکثر لوگوں کو میں نے کتاب دی، مگر غلط ہی نقل کر دی، بعض نے صفحات غلط لگا دئے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کوئی بات تو نے دیکھی ہے، تو بتلا دے؟ بعض دفعہ کچھ عرض بھی کر دیتا۔

ایک دفعہ ایک راوی کی نسبت میں مجھے شبہ ہوا تو دریافت کرنے حضرت کی خدمت میں گیا، فوراً فرمایا "سبحان اللہ" الحمد للہ باستیعاب کی اس کتاب مستطاب کے دیکھنے کا موقع مل گیا، ابو حبیب اللہ امرتسری بھی رات کے وقت بعد عشاء میرے پاس آ بیٹھے کہ میں تیرے ساتھ حضرت کے پاؤں دباتا ہوں، توفی کے لفظ پر کچھ دریافت کر رہے تھے، احقر نے عرض کیا حضرت توفی حیات کے ساتھ جمع بھی تو ہو سکتی ہے۔ فرمایا ہاں اللہ یتوفی الأنفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها، کہ میں یہ ہے کہ توفی ہو رہی ہے موت واقع نہیں ہوئی جیسے نیند میں توفی ہوتی ہے سوتے آدمی کو مردہ کوئی نہیں کہتا۔ هو الذی یتوفاکم باللیل پھر میں نے قصہ سنایا کہ سلطان پوری لودھی ضلع جالندھر پنجاب میں حیات عیسیٰ پر بحث کرتے ہوئے میں نے مرزائی مناظر سے دریافت کیا کہ کیا تمہارا رات کے وقت جنازہ نکل جاتا ہے، بچے یتیم ہو جاتے ہیں عورت بیوہ ہو جاتی ہے، بہت خوش ہوئے اور تبسم فرماتے رہے (کبھی مدت العمر کھلکھلا کر نہیں ہنسے)۔

☆☆☆

فروع، عقائد، تاریخ، سیر، احکام سبھی پر بصیرت افروز اور ناقدانہ تحقیقی بحث فرمائی ہے، ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی تلاش کر کے خوب اشاعت کی جائے یہ تبرک حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہے، ایک حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر مہاجر دیوبند ۱۹۲۸ء میں الصوم لی وانا اجزی بہ پر شائع ہوئی تھی، افسوس کہ ہمارے پاس محفوظ تھی، لیکن ۴۷ء کے خونی ہنگامہ میں جب ہم رائفلوں کے سائے میں نکالے گئے تو احقر کی کتابوں کے ساتھ رائے کوٹ ضلع لدھیانہ رہ گئی۔ حضرت کی سیرت پاک بھی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تھی، بہت سے خطوط مولانا محمد سلیمان شاہ صاحب برادر خورد حضرت شاہ صاحب کے تھے، اب ہم اس تبرک انوری کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں کہ اس کا افادہ عام ہو جائے شاید کہ ہمارے لئے ذخیرہ عقبیٰ ثابت ہو، آمین۔

محمد نوری عفا اللہ عنہ

مکان ۲۲۳ ست پورہ نائل پوری

۳۱ مارچ ۱۹۶۵ء

عید مسلم

افادات عالیہ حضرت شیخ الاسلام سید المحدثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علامہ جوہری طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حامد کی حمد اس کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے، اب اندازہ لگایئے کہ رب العالمین نے بھی قرآن عزیز میں اپنی حمد مختلف عنوانات سے فرمائی ہے، مخلوق تو اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، ایک پیغمبر برحق جو حمد خدا کر سکتا ہے کیا امتی یہ مقابلہ کرے گا، جو علوم صحابہ کو عطا فرمائے گئے تھے اس لئے کہ وہ تو اذکیاء امت تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی کے لئے منتخب فرمایا گیا، اگر وہ حمد باری عزاسمہ بیان کریں گے تو کیسی کی شایان شان ہوگی، اسی طرح دیکھئے جائیے اب ہم تو یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ عید کا دن ایک افضل دن ہے، ہمارے شہر کو باہر کھلے میدان میں نکل کر شکر کے دو نفل ادا کرنے چاہئیں۔

لیکن شیخ الاسلام سیدنا حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عید مسلم تبلیغ کا دن ہے، ہر شخص جو تکبیر کہتا ہے خدا کی کبریائی کی تبلیغ کرتا ہے، حتیٰ کہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ عوام اگر جوق در جوق بازار میں تکبیرات کہتے پھریں تو منع نہ کرنا چاہئے کہ عوام میں ترغیب ہوتی ہے، یہ حضرت شاہ صاحب کا مضمون اسلام کے تمام شعبوں کو حاوی ہے جتنا جتنا غور کرتے جائیں گے آپ پر منکشف ہوتا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور وانبساط اور ہر طرح کی فرحت وابتہاج عید کے مترادف ہے، لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضاء کی نظر میں عید اس مسرت وخوشی کو کہتے ہیں جو نعماء ربانی اور کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل وجود پر ادائے سپاس کے لئے کی جاتی ہے۔ دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ و بہار فانی، پھر اس پر کیا مسرت وانبساط جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد رنج ہو تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے، اسی لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے ﴿لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین﴾

عید کی حقیقت اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی سرمدی مسرت میں مضمر ہے جس کی نسبت اور جس کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہ صمدیت سے وابستہ ہے منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے اور اس کا فضل واحسان سرمدی، لہٰذا اپنی یہ مسرت وفرحت اور خوشی وانبساط بھی دائمی اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے اسی کو رب العالمین نے معجز انداز میں اس طرح فرمایا ہے ﴿قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا﴾ یعنی خوشی ومسرت در حقیقت خدائے قدوس کی رحمت اور اس کے فضل ہی پر کرنا چاہیے۔

عید الٰہی

حقیقت میں نظریں اور بے اہل معرفت نگاہیں اس حکمت ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریعی کی اساس، کہ جس کو عالم امر دوامی کہنا بہتر

ہے، بہت کچھ عالم تکوینی کے مظاہر وشواہد پر قائم کی گئی ہے تاکہ مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہو سکے، اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیر عنوان عید بھی ہے۔ عالم تکوینی کی ابتداء اور اس کے منصہ شہود میں آنے کے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت وتعلیم دینے کے لئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض وسماوات اور کائنات عالم چھ روز میں پیدا کئے۔ ﴿ان ربکم اللہ الذی خلق السماوات والأرض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش﴾، اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اس کی اسی طرح روز وشمار بھی اسی تکوینی عالم سے اخذ کی گئی ہے، چھ روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کے شکر ومنانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب العزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا، اور اس کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا ﴿ثم استوی علی العرش﴾۔

استوی علی العرش کی مقامی توجیہ

اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استوی علی العرش سے کیا مراد ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ اس کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے محققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے، کیونکہ یہ انہیں امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ رہا ہے کہ

"الاستواء معلوم والکیفیۃ مجہول" یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اس کی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے۔ لیکن علماء متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت توجیہات واقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ وسوسوں اور ملحدین وفلاسفہ کی زیغ کو دیکھ کر کی ہے تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں اور انہوں نے اس معرکۃ کی تحقیقات میں بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد وعقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جدوجہد کی ہے۔ مناسب مقام اس کے معنی یوں سمجھے چاہئیں کہ رب العالمین نے ارض وسماوات کو چھ روز میں پیدا کر دیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرت عامہ اور شہنشاہیت کے استیلاء وغلبہ کا اظہار فرمایا، اور تمام عالم اس کے حیطۂ اقتدار میں محیط ہو گیا کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض وسماوات کو حاوی ہے اس کی لامحدود قوت وسطوت کا اظہار کرتا ہے۔

ایک حدیثی نکتہ

تخلیق عالم اور عید الٰہی کی اس آیت کے بارے میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے، جس کا معنی یہ ہے کہ قرآن عزیز نے تخلیق ارض وسماوات کی مدت ستۃ ایام چھ روز قرار دی ہے، اور صحاح کی بعض روایات میں ہے کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا، پس اگر تخلیق عالم کی ابتدا ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی

کو محیط ہو جاتا ہے، اور تعطیل (استویٰ علی العرش) کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا، لہذا کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستۃ ایام کو صحیح باقی رکھا جا سکے اور استواء کے لئے ایک روز فاصل نکالا جا سکے۔ اس اشکال کے پیدا ہو جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین ومحققین نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے اس کو اپنے خیال میں اس مسئلہ میں مسلک سمجھ لیا ہے جس میں کہ تخلیق ارض وسماوات ہوئی ہے، حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستۃ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا تھا بلکہ ایک عرصہ مدید کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اور تخلیق ارض وسماوات سے متصل جو جمعہ آتا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے۔ ان حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے ان کے لئے ہماری یہ توجیہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کے لئے کافی ووافی ہے۔

یوم سبت کی تحقیق

اسی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین وتحقیق ہے۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا نام ہے، اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار ہے۔ اور چونکہ عربی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں اس لئے خود علماء اسلام کو بھی اس کی تعیین میں مشکل پیش آئی ہے، اسلئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ

اللہ علیہ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں اور وہ بھی اس کے قائل ہو گئے ہیں کہ یوم السبت ہفتہ ہی کے دن کا نام ہے اس اشکال کو اس سے اور زیادہ تقویت ہو جاتی ہے کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے روز کو کہتے ہیں۔

لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جاہلیت میں دنوں کے نام یہ نہ تھے کہ اب ان کے یہاں مستعمل ہیں، کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے، موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں اور وہی اس کے واضع ہیں، چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے، عروبہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عید کا ہے، اور زبان میں ہر عرف ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے استعمال ہوتا ہے، بعینہ یہی مفہوم یہود عروبہ کا سمجھتے تھے، اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے، عروبہ کے استعمال سے مسلمانوں میں بھی رواج پایا، اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے، بہر حال جب کہ ہفتے کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے تو لازمی تھی کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو اس لئے انہوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا یہی استعمال اور محاورہ علماء اسلام کے لئے اس کا باعث بنا کہ انہوں نے سنیچر ہی کو یوم السبت قرار دیا، اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے اور خلاف تحقیق ہے، اس لئے کہ مسند امام شافعی کی

روایت میں مذکور ہے کہ استواء علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی۔ لہذا ان دونوں روایتوں کی بنا پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا، اور آغاز تخلیق سنیچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلا شک و شبہ یوم سبت جمعہ کا نام ہے، اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے بلکہ آغاز تخلیق عالم ہی سے وہ مشرف و معزز ہو رہا ہے، کیونکہ اسی دن ہی رب العالمین کے استواء علی العرش کی عید تھی۔

انتخاب جمعہ کی حدیث مع توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہونے اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امت مرحومہ کا بھی نصیب زبردست تھا، اور اسی کی قسمت یاوری تھی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی، چنانچہ مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ثابت کیا اس کو دوسری امتوں سے، یعنی نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن قرار دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کے لئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امم کو اس شرف سے محروم رکھا محدثین نے دو توجیہیں کی ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ دراصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے

جمعہ پر رکھا تھا، پس امم سابقہ کا جمعہ کی برکت کو نہ پا سکا جس کو امت
محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا۔ اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اول
تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا، لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں
اور طبعی رغبتوں کی بناء پر اس دن کو پسند نہ کیا اور اپنے زمانے کے انبیاء علیہم
السلام کو اس بارے میں تنگ کیا کہ وہ جمعہ کو بدل کر کسی دن کو یوم تعطیل قرار دے
دیں اس لئے وہ اس جنگ و جدل کی بناء پر اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے،
اور یہ آخر امت مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا، سو آ گیا، اور جمعہ کا
دن ان کے حق کی عید قرار پایا، ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

خدائے برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے بطفیل خاتم الانبیاء صلی اللہ
علیہ وسلم آج تک اسلام میں یوم جمعہ بہت شان و شوکت سے منایا جاتا ہے،
اور عید النبی کے باعث اور اس کی بارگاہ میں ہر ایک اس کی شرکت کو اپنے لئے
فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔

ایام ربانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی
میں جو ستہ ایام کا ذکر کیا ہے آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولی کے موافق تھی
یا اس سے زائد؟ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق محدثین و صوفیہ کرام دونوں
نے قلم اٹھائے ہیں اور خوب بحثیں کی ہیں اہل عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز
حیرت انگیز نہیں ہے اس لئے کہ وہ درگاہ صمدیت و بارگاہ احدیت تو حقیقتاً
زمانہ و اس کی مقدار سے وراء الوراء ہے اور اس کی جگہ تو زمانہ کی تحصیل بھی

لیا گیا ہے، کیوں کہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے اور حرکت و سکون کی
نسبت انہیں اجرام و اجسام کی طرف کی جا سکتی ہے جو ان کا محتاج ہو، لیکن
خالق حرکت و سکون اور مکون زمانہ، زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا
سروکار، تعالی اللہ علوا کبیرا، بہر اقرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا
لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کا سدہ کی تفہیم
کے لئے ہے، اسی لئے اس کی نوعیت پر بحثیں پیدا ہو گئی ہیں، بعض محققین کا
خیال ہے کہ ایام ایام معمولی ہی کی طرح تھے، نہ زیادہ اور نہ کم، اور بعض یہ
فرماتے ہیں کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا، شیخ اکبر
رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسماء حسنی کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی ہے، چنانچہ
اس موقع پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے ﴿وان
یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون﴾۔

یوم ربوبی کا ایک نکتۂ لطیف

اس سے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر
سات ہزار سال ہے، کیوں کہ سات ہی روز اس کی تخلیق اور اس پر عمل کے
گذرے ہیں اور اولو العزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد
مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے، چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم
الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلی اور بے نظیر
ترقی بھی ایک ہزار سال رہی اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہو گیا،
جس کی منتہی وجود قیامت پر ہوگی، اور یہ سب کرشمے ایام ربوبیت ہی کے

ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں کہ نبی آخر الزمان ساتویں ہزار میں آئے گا۔ اور اس پر ایمان لائیں گے، لیکن چونکہ بائبل کے کل نسخہ کے بارے میں علماء یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے اس لئے وہ اس صحیح حساب کی تشخیص نہ کر سکے اور نبی آخر الزماں پر ایمان نہ لا سکے بائبل کے نسخوں میں قدیم زمانے کے یونانی نسخہ پر اعتماد تھا، لیکن جب اس کا حساب صحیح نہ نکلا تو اس کو ساقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کر سکا اور یہ قوم اس بارہ میں خاسر ہی رہی۔

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشوراء

ایک ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سماویہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے اور کسی نہ کسی رحمت و فضل الٰہی کے ادائے شکر میں اس کا راز مضمر ہے، اور ہمیشہ اس کا وجود بندگان خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھ مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فراعنہ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبر اور قہراً سہتے رہے، لیکن ظلم و عدوان اور غرور و نخوت کا مظاہرہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا، اور انانیت و کبر ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتا، چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خواریوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہو اور غلامی کی لعنت

سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات ملی اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک مظاہرہ کا چند منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عین صبح موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے تشرین اول میں قلزم سے پار ہو گئے، اور خدائی کا جھوٹا مدعی فرعون کی فرعونیت اپنے لشکر سمیت قلزم کی تہ میں فنا ہو گئی۔ احکام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اسی یادگار کے لئے یوم عاشورا کی عید ان کے مذہبی امور میں داخل کی گئی تاکہ اس دن میں روزہ رکھ کر بنی اسرائیل نیاز مندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں، اور اس روز مسرت و شادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سر نیاز جھکائیں۔

عاشورا ایک تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود بخود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تشرین اول یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمسی نظام پر قائم کئے گئے ہیں لہذا اس کے مطابق ماہ محرم الحرام جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے کسی طرح نہیں ہو سکتا، پھر ہمارے یہاں ماہ محرم الحرام کو عاشورا کا ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے ہیں اس دن یہود عاشوراء کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے آپ نے ارشاد فرمایا ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں کہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کی رستگاری پر خوشی کریں اور شکر الٰہی بجا لائیں، لہذا ہم میں سے جس شخص نے بھی کھا پی لیا ہو وہ

روزہ رکھے، اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں۔ حالانکہ یہ امر محقق ہے کہ مدینہ طیبہ میں واقعہ ربیع الاول میں ہوا تھا تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہو سکتا ہے؟ لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے، اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں، ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی اور عاشورا کو اسی اصول پر مناتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ربیع الاول میں جو عاشورا کی تاریخیں اس مرتبہ پر آ کر پڑیں وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔

دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے ہیں اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کے لئے اپنی عید عاشورا کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔

تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورا مناتی تھی اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورا قائم کرتی تھی، اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتناء کے قابل نہیں۔

عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کے لئے ان کی رستگاری میں عاشورا کی عید

مقرر ہوئی اس طرح امت مرحومہ کے لئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے اداء نیاز کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا، جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے۔ یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دار و مدار اور اس کی تمام اساس قرآن و حدیث رسول پہنچی ہے، رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی فضل و رحمت الٰہی ہے جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف حاصل ہوا۔

﴿شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان﴾

وہ قانون الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی، اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کے لئے فیصل اور احکام الٰہیہ کا آخری پیغام ہے رمضان میں نازل ہوا اور اس کی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری عام ہو گئی پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے، لہذا فضل و نعمت کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے بعد اسلام نے ایک دن خاص دعوت الٰہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا اور اسی کا

نام عید ہے۔

سعید ہیں وہ روحیں جنھوں نے رمضان کے برکات وانوار کو حاصل کیا، عید کی حقیقی وابدی مسرت سے حصہ پایا، اور منور ہیں وہ قلوب جنھوں نے اس کے فیض کو اپنے اندر جگہ دی، اور دائمی سرور وشادمانی سے بہرہ مند ہوئے یہی شادمانی وسرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد وہدایت کے سرچشمے کے نزول میں باجماع ﴿ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم﴾ ہماری زبانوں سے اللہ أکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہلاتا ہے۔

اتمام قرآن عزیز

خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بے نظیر مشعل ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تیئیس (۲۳) سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار وتجلیات سے ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق فیض یاب کرتا رہا، آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمہ خیر کثیر کے اتمام واکمال کی بشارت ہم کو دی گئی، اور ۹ ذی الحجہ یوم عرفہ کو ﴿الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی﴾ کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا کہ اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اس روز کو

عید قرار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے، یہ سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی، اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی ہے اور جمعہ وعرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہرحال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس دار خدا کے انعام فضل واکرام کے تشکر وامتنان میں مخمور ومسرور ہوتا ہے اور دربار خداوندی میں مسرت وشادمانی کے ساتھ سر نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر عید الاضحی جمعہ عرفہ یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی۔ یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل وادیان میں کہ اس کی غمی، خوشی، رنج، سرور، حزن ومسرت سب خدائے قدوس ہی کے لئے ہے اس کی تمام عیدیں جزئیات اور خرافات سے پاک اور بری ہیں اور ان کا ہر ہر جزو صرف خدائے قدوس ہی کی یاد سے مملو ہے۔

والحمد للہ اولا وآخرا۔

☆☆☆

☆ حضرت شاہ صاحب کا کلام بالعموم حافظ شیرازی کے طرز پر ہوتا تھا حافظ نے لکھا ہے

شاہد دل ربا کے حسن می کند از برائے حسن
نقش ونگار ورنگ وبو تازہ بتازہ نو بنو

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں

در ہمہ سیر و غرب کشف نہ شد ہیچ
گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو
گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے
شرح دہم ہمہ بتو قصہ بقصہ ہو بہو
داشت خلاف عمر سنہ ہر چہ بود ز جبر و قدر
آنچہ کہ گشتہ در خط بہ خط جو ز جو

عالم برزخ سے متعلق حضرت شاہ صاحب کی ایک نظم ہے اس کے یہ تین شعر بطور نمونہ ہم نے درج کئے۔

☆ حضرت کا ایک مربع نعتیہ ہے جو عقیدۃ الاسلام کے آخر میں لگا ہوا ہے اس کے شروع کے یہ شعر ہیں۔

مربع نعتیہ فارسی

دوش چوں از بے نوائی ہم نوائے دل شدم
عہد ماضی یاد کردہ سوئے مستقبل شدم
از سفر وا ماندہ آخر طالب منزل شدم
گز تگا پو سو بسو شام غریباں در رسید

یہ قصیدہ بہت لمبا ہے ہم نے محض چار مصرعے درج کئے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔

☆ حضرت عثمانی مولانا شبیر احمد صاحب نے جب ڈابھیل ضلع سورت میں حضرت شاہ صاحب کی وصال کی خبر سنی تو تعزیتی جلسے میں فرمایا

ہوئی مدت کہ دنیا سے میرا دل اٹھ گیا لیکن
ہنوز اک شعلہ یادِ رفتگاں دل سے اٹھتا ہے
ہجوم درد و غم اس درد آہ دل سے ہے ثابت
درود کارواں ہو تب دھواں منزل سے اٹھتا ہے
الٰہی فرقت مرحوم میں کیوں کر بسر ہوگی
نہ دل اٹھتا ہے الفت سے نہ صدمہ دل سے اٹھتا ہے
ہمارے شعلہ غم کا یقیں تم کو نہیں آتا
تمہیں کیوں کر دکھائیں دل میں بھڑکتا اس سے اٹھتا ہے

شبیر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ
۳ صفر ۱۳۵۲ھ

☆ ایک دفعہ ۱۳۳۸ھ میں ترمذی شریف کے درس میں احقر نے سوال کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو آتی ہے یصلی اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن، ثم يوتر بثلاث میں نے سوال کیا کہ اس حدیث سے تو آٹھ تراویح ثابت ہوتی ہیں۔ حالانکہ یہ میرا سوال بے محل تھا کیوں کہ اس حدیث میں ایک تو فی رمضان وغیرہ ہے، حالانکہ

غیر رمضان میں تو تراویح نہیں ہوتی۔ دوسرے اس میں وتر تین ہیں، اور آٹھ تراویح پڑھنے والے وتر تین نہیں پڑھتے۔ تیسرے اس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سوال کیا کہ کیا آپ یعنی حضور نیند کرتے ہیں وتر پڑھنے سے پہلے؟ جب رمضان میں وتر باجماعت پڑھے جاتے ہیں اور اس زمانے میں مستورات مسجد نبوی میں جماعت کے ساتھ پڑھتی تھیں تو پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ سوال تو بے محل ہوا کیوں کہ جب آپ جماعت میں شامل ہوتی تھیں تو پھر حضور سے نیند کرنے کے متعلق کیا سوال؟ معلوم ہوا کہ یہ حدیث تہجد کی نماز کی متعلق ہے۔

تو حضرت شاہ صاحب نے تو را فرمایا کہ دیکھنا یہ ہے کہ خلفاء راشدین کی سنت آیا سنت ہی ہے یا نہیں جیسا کہ حدیث یہ ہے فإنه من يعش منكم بعدي فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة، رواه أحمد والترمذي وابو دود وابن ماجه، مشكوة

اور فرمایا سنو کہ مسئلہ کی تحقیق ان تفسیا ہوتی ہے نہ کسی کے عمل کو دیکھ کر، جب یہ بات ہے اور اتنا اختلاف ہے کہ کوئی دوسرے کی بات سنتا ہی نہیں تو نبی کے فرمانے کے مطابق خلفائے راشدین مہدیین کے عمل کو دیکھا جائے گا، اور ان کا اتباع لازمی طور پر کیا جائے گا، تاکہ اختلاف رفع

ہو جائے۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں دیکھو کہ خلفاء راشدین مہدیین حضرت ابوبکر اور حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذو النورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہم ہیں۔ مہدیین کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن کو باری تعالی طرف سے ہدایت یافتہ کیا گیا ہو حق کی طرف اور فرمایا کہ یہ جو حدیث ہے وكان القاری يقرأ سورة البقرة في ثمان ركعات، فإذا قام بها في اثنى عشر ركعة رأى الناس إنه قد خفف، رواه مالك تو فرمایا کہ بیس تراویح کی یہ حدیث صحیح دلیل قوی ہے، اور صحابہ کے زمانہ میں اس پر عمل درآمد ہوتا تھا، اور بھی موطا امام مالک میں بہت سی روایات موجود ہیں جو صریح طور پر بیس پر دلالت کرتی ہیں۔ اور امام بیہقی نے فرمایا کہ حضرت علی زمانہ میں بھی حضرت ابی ان لوگوں کو بیس تراویح پڑھاتے تھے، اور حضرت عثمان کے زمانہ پاک میں بھی اسی پر عمل ہوتا تھا، اور حدیث ابو داود وغیرہ میں ہے راوی کہتا ہے حتى خشينا الفلاح، اگر آٹھ ہی کا شوق ہے تو اس حدیث پر کیوں نہیں عمل کیا جاتا کہ حتى خشينا الفلاح کہ ہم کو سحری کا خطرہ ہو گیا، جماعت کو چھوڑ جاتا اور یہ کہتا کہ ہم آٹھ پڑھ کر چلے ہیں اور یہ کہ سو جاتا یا اور کوئی باتوں میں لگ جاتا یہ تو حدیث کے خلاف ہوا تو اتنا سا پڑھنا چاہیے کہ سحری کا وقت نکلنے کا خطرہ ہو جائے۔

جب روایات متعارض آرہی ہیں تو کیوں نہ خلفاء راشدین کے تعامل پر عمل درآمد کیا جائے۔ اور حدیث ما أنا عليه وأصحابي صاف

بتلا رہی ہے کہ اصحاب کے تعامل کو نہیں چھوڑنا چاہیے ورنہ یہ صریح دلیل ہے صحابہ کے بغض کی۔ والعیاذ باللہ)

صحابہ کرام کے اذکیاء امت ہونے کے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہم کا صاف ارشاد ہے جو مشکوٰۃ اور ابو داود شریف میں مذکور ہے کہ ان کے گہرے علوم اور صاف قلوب تھے، پھر ان کے تعامل کو جان بوجھ کر چھوڑنا؟ اعمال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہمیں صحابہ کرام ہی کے تعامل سے معلوم ہوئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احبهم فبحبي احبهم، ومن ابغضهم فببغضي ابغضهم

یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے، یہ کتنی بڑی وعید ہے جو حضور نے اپنے صحابہ کے اتباع کے متعلق فرمایا ہے اس پر عمل درآمد کرنا چاہیے اس وعید سے ڈرنا چاہیے خدا ہم کو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے اتباع کی توفیق بخشیں۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت شاہ صاحب کا بیان سننے کے لئے پنجاب، بلوچستان، کراچی اور دیگر دور دراز علاقوں کے علماء، فضلاء، رؤساء اور افسران ریاست آئے ہوئے تھے، مجلس مؤید الاسلام بہاول پور نے جو تمہیدی الفاظ حضرت کے بیان "البیان الازہر" پر لکھے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا ومصلیًا

شیخ الاسلام والمسلمین سید المحدثین قدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ سرہ کی بلند پایہ ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں، آپ کو مرزائی فتنے کے رد و استیصال کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامع مولانا غلام محمد صاحب کا خط شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے اور سامان بھی بندھ چکا تھا، مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ راگست ۱۹۳۲ء کو بہاول پور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا، حضرت کی رفاقت میں پنجاب کے بعض علماء مولانا عبد الحنان خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیۃ العلماء پنجاب، مولانا محمد صاحب لائل پوری فاضل دیوبند و مولانا زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہ بھی تشریف لائے۔ ریاست بہاول پور اور ملحقہ علاقے کے علماء اور زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات جگہ نہ ملتی اور زائرین مصافحے سے مشرف نہ ہو سکتے تھے۔

۲۵ راگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا، عدالت کا کمرہ امراء و رؤساء ریاست و علماء کی وجہ سے پُر تھا۔ عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا اجتماع تھا، باوجودیکہ حضرت شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا، مگر متواتر پانچ روز تک تقریر

پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزائیت کفر و ارتداد و دروغ و دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرما دیئے، حضرت شاہ صاحب کے بیان مباحث مسائل میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزا کے ادعاء نبوت و وحی و مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے، اور مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو بھی مباحث موجود ہیں شاید مرزائی نبوت کے رد میں اتنا علمی ذخیرہ کسی ضخیم سے ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا، حضرت شاہ صاحب کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کے فکری رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحب کے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے علی علیین میں مدارج بلند فرمائیں آمین۔ حضرت کا حافظہ اس وقت قابل دید و شنید تھا، اس پر مولانا محمد صادق کا بیان ختم ہوا، احقر عرض کرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تین دن بیان کیا اور دو دن جناب جلال الدین قادیانی نے جرح کی، کل بیان پانچ روز ہوا یعنی ۲۵ سے شروع ہو کر ۲۹ (انتیس) اگست ۱۹۳۲ء کو ایک بجے ختم ہوا، آپ نے مکمل حوالہ جات کے ایک فتویٰ مصری مطبوعہ بھی پڑھ کر سنایا جس میں علماء مصر نے مدعی نبوت پر کفر کا فتویٰ دیا تھا۔ اس میں مشہور عالم دین علامہ محمد بخیت کا بھی فتویٰ تھا، اس پر فرمایا تھا کہ میں علامہ بخیت کو پہچانتا ہوں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا بھی طویل فتویٰ سنایا تھا، اور بھوپال کے مفتی اعظم کا بھی فتویٰ سنایا تھا، یہ دونوں فتوے مولانا نور احمد صاحب امرتسری کے رسالہ استکشاف

لمسلمین عن الاختلاف بالمرزائیین سے پڑھ کر سنائے تھے۔

(نوٹ) اب بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ایک رسالہ اور بھی ہے جس میں مولانا مولوی امیر علی صاحب مصنف عین الہدایہ وغیرہ مدرس اعلیٰ ندوۃ العلماء لکھنو اور مولانا شبلی جو اس وقت مدرس ندوۃ العلماء کے تھے، اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کا اور حضرت مولانا عبدالرحیم شاہ رائے پوری صاحب اور حضرت مولانا نور محمد لدھیانوی صاحب خلیفہ حضرت میاں عبدالرحیم صاحب جو اس وقت حضرت رائے پوری شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رہتے تھے اور ہمارے حضرت عبدالقادر کا بھی فتویٰ ہے۔

قادیانی مختار نے کہا کہ تحذیر الناس میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بعد خاتم النبیین نبی کا آنا تجویز کیا ہے۔

فرمایا جج صاحب لکھئے

حضرت مولانا محمد قاسم نے اپنے اسی مضمون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے متعلق دلائل و براہین ساطعہ بیان فرمائے ہیں اور اثر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی علمی توجیہات فرمائی ہیں۔ ان لوگوں پر حیرت ہے جو تحذیر الناس کا مضمون اور یہ مقامات دیکھتے نہیں، اس رسالہ میں جا بجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین زمانی ہونا اور اس کا اجماعی عقیدہ ہونا اور اس پر ایمان ہونا ثابت فرمایا ہے، رسالہ کے صفحوں کی عبارت میں آپ کو لکھوانا چاہتا ہوں حضرت مولانا فرماتے ہیں

"سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے

ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالت التزامی ضرور ثابت ہے، ادھر تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی او کما قال، جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اس بات میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے گو الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسے تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں، جیسا اس کا منکر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔

اسی رسالہ کے دوسرے صفحات میں جا بجا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت زمانی کا اقرار ہے نیز مناظرہ عجیبہ جو صرف اسی موضوع پر ہے نیز آب حیات قاسم العلوم انتصار الاسلام وغیرہ کتب مصنفہ حضرت نانوتوی دیکھنا چاہیے، حضرت مولانا مرحوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تین طرح کی خاتمیت ثابت فرماتے ہیں۔

ایک بالذات یعنی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتمیت ذاتی کا ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصف نبوت کے ساتھ موصوف بالذات ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بالعرض اور آپ کے واسطے سے، جیسا کہ عالم اسباب میں موصوف بالنور بالذات آفتاب ہے اس کے ذریعے سے تمام کواکب قمر وغیرہ اور دیگر اشیاء ارضیہ متصف بالنور ہیں یہی حال وصف نبوت کا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے متصف بالذات اور اسی

وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے نبوت ملی حدیث میں ہے کنت نبیا و آدم منجدل بین الماء والطین اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام حضور کے واسطے سے متصف بالنبوۃ ہوئے، حدیث میں ارشاد ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعه الا اتباعی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرے اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ پارہ ۳ کے آخری رکوع میں ارشاد ہوتا ہے ﴿واذ اخذ الله میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمة ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به ولتنصرنه﴾ الآیة

اس آیت سے صاف واضح ہے کہ نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اس امت کے رسول ہیں نبی الانبیاء بھی ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت کو ایک طرف رکھا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف، اور سب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا گیا، آیت میں ثم جاءکم فرما تصریح فرما دی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ظہور سب سے آخر میں ہوگا۔

آیت میثاق دروے ثم ہست
این ہمہ از مقتضائے ختم است

ثم عربی زبان میں تراخی کے لئے آتا ہے اس واسطے علی فترة من الرسل فرمایا حدیث میں ہے انا دعوة ابی ابراهیم میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ تمام انبیاء علیہم السلام حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارات دیتے آئے، چنانچہ توراۃ شریف، انجیل شریف، و دیگر صحف میں باوجود تحریف لفظاً و معنوی ہو جانے کے اب بھی متعدد آیات موجود ہیں جو حضور کی خاتمیت اور فضیلت کا پتہ دیتی ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ تشریف لا کر اتباع شریعت محمدیہ کرنا اسی فضیلت اور خاتمیت کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا صف بندی کر کے امام کا منتظر رہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امامت کرنا بھی اسی امر کی صراحت کرتا ہے، واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا بھی اسی کی طرف مشیر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیاء علیہم السلام کا اجتماع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوا، اور ابن حبیب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ یہ آیت لیلۃ المعراج میں نازل ہوئی (تکان)۔ اور انا خطیبھم اذا انصتوا اور احادیث شفاعت بھی اسی فضیلت محمدیہ کا اعلان کرتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا اختتام ہوا، اور پہلے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی کا زندہ رہنا ضروری تھا تاکہ بطور نمائندہ سب کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی نصرت کریں، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب ہوا اس لئے کہ آپ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں اور سلسلہ اسحاق اور اسماعیل کو جوڑ دینا منظور ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تین امور کا اعلان فرمایا۔

(۱) ﴿یابنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم﴾ اے بنی اسرائیل میں فقط تمہاری طرف مبعوث ہو کر آیا ہوں دوسری جگہ آل عمران میں ورسولا الی بنی اسرائیل فرمایا گیا ہے، صرف بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔

(۲) ﴿مصدقا لما بین یدی من التوراۃ﴾

(۳) ﴿ومبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد﴾ میں ایک عظیم الشان رسول برحق کی خوشخبری سنانے آیا ہوں جو میرے بعد مبعوث ہوں گے ان کا نام احمد ہے۔ قرآن عزیز اعلان کرتا ہوں کہ وہ نبی برحق جن کے متعلق عالم ارواح میں انبیاء علیہم السلام سے عہد و پیمان ہوا اور بشارت دی گئی تھیں آ چکا۔ ﴿جاء بالحق و صدق المرسلین﴾ حدیث شریف ہے انی اولی الناس بعیسی بن مریم مجھے زیادہ قرب ہے عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت تمام لوگوں کے اور بلاشبہ وہ نزول فرمائیں گے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے آخری نبی اولوالعزم کا خاتم المنتظر علی الاطلاق کے دین کے نصرت کے لئے تشریف لانا اور شریعت محمدیہ پر عمل فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہونے کا عملی مظاہرہ ہے فضیلت محمدیہ کو دنیا پر واشگاف کر دینا منظور ہے، آپ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تشریف لانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نبی دوسرے نبی کے علاقے میں چلا جائے، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی ہوں گے لیکن بہ حیثیت حکم عدل تشریف آوری ہوگی، بطور رجع

مبعوث فرمانے کے تشریف آوری ہوگی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ قرب قیامت میں عیسائی اقوام کی مسلمانوں سے مڈبھیڑ رہے گی لہذا اہل کتاب کی صلاح کے لئے تشریف لائیں گے ثالث وہی ہوتا ہے جو ہر دو فریق کے نزدیک مسلم ہو، ہماری کتابیں "عقیدۃ الاسلام"، "تحیۃ الاسلام"، "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" اس باب میں دیکھنا چاہیے۔

دوم خاتمیت زمانی یعنی آپ کا زمانہ نبوت اس عالم مشاہدہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں ہے آپ کے بعد کسی کو نبوت تفویض نہ ہوگی۔

ابی بن کعب سے مرفوعاً روایت ہے بدا بی الخلق وکنت آخرهم فی البعث واخرج جماعة عن الحسن عن ابی هریرة مرفوعا كنت أول النبيين فی الخلق وآخرهم فی البعث، كذا فی روح المعانی (ص ۱۱ ج ۷)۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبی بنائے جا چکے ہیں نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ اسلام کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے، مرزا غلام احمد نے اجماع کو حجت مانا ہے اور اس کے منکر پر لعنت کا اعلان کیا ہے۔ انجام آتھم ص ۱۴۴۔ مرزا صاحب نے کفار کے تواتر کو بھی حجت مانا ہے چہ جائیکہ تمام امت محمدیہ کے تواتر سے ثابت شدہ عقیدہ کو (تریاق القلوب)۔

حضرت نانوتوی نے تیسری خاتمیت مکانیہ ثابت فرمائی ہے یعنی وہ زمین جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فروز ہوئے وہ تمام زمینوں میں بالاتر اور آخری ہے، اور اس کے اوپر کوئی زمین نہیں اس کو بدلائل ثابت فرمایا

ہے۔

قادیانی مختار مقدمہ نے سوال کیا کہ امام مالک سے منقول ہے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے قائل ہیں۔ احقر نے فرمایا کہ ابی کی شرح مسلم شریف نکالو، چنانچہ ص ۲۲۶ ج ۱ مطبوعہ مصر ذیل کی عبارت پڑھ کر سنائی وفی العتبية قال مالک بينا الناس قيام يستمعون لإقامة الصلاة فتغشاهم غمامة، فإذا عيسى قد نزل، الخ عتبیہ میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا دراں حالیکہ لوگ کھڑے نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے اچانک ان کو ایک بادل ڈھانپ لے گا یکایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے۔ امام مالک کا بھی وہی عقیدہ ہے جو ساری امت محمدیہ کا اجماعی اور متواتر عقیدہ ہے۔ ہم نے تتبع کیا ہے کوئی تیس اکتیس صحابہ احادیث نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے راوی ہیں، تابعین کا تو احصاء بھی مشکل ہے، امام ترمذی نے پندرہ صحابہ گنوائے ہیں ہم نے مزید چودہ کا اضافہ کیا، چنانچہ مسند احمد و کنز العمال و دیگر کتب حدیث کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں، ہمارا رسالہ "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" مطالعہ کیا جائے۔

قادیانی نے سوال کیا کہ علماء بریلوی علماء دیوبند پر کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں اور علماء دیوبند بریلوی پر۔

ارشاد فرمایا کہ جج صاحب احقر بطور وکیل تمام جماعت دیوبند کی جانب سے گذارش کرتا ہے کہ حضرات دیوبند ان کی تکفیر نہیں کرتے، اہل

سنت والجماعت، اور مرزائی مذہب والوں میں قانون کا اختلاف ہے، علماء دیوبند اور علماء بریلی میں واقعات کا اختلاف ہے قانون کا نہیں، چنانچہ فقہاء حنفیہ نے تصریحات فرمائی ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کلمہ کفر کسی شبہ کی بناء پر کہتا ہے تو اس کی تکفیر نہ کی جائے گی، دیکھو رد المحتار و البحر الرائق۔

☆ بہاولپور سے واپسی پر ریل گاڑی میں احقر نے عرض کیا کہ سلطان پور بودھی ضلع جالندھر میں حیات عیسیٰ علیہ السلام پر میرا مناظرہ مرزائیوں سے ہوا میں نے منجملہ دلائل کے ایک یہ آیت بھی پیش کی تھی ﴿قل فمن يملك من الله شيئا ان اراد ان يهلك المسيح ابن مريم وامه ومن في الارض جميعا﴾ اس پر وہ مرزائی کہنے لگا کہ دیکھو دیکھو اس نے کیا کہہ دیا، اس میں تو امه، کا لفظ بھی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ آیت پاک بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی تک عیسیٰ علیہ السلام کے مارنے کا ارادہ بھی نہیں کیا، کیونکہ فرمایا ان اراد ان يهلك المسيح ابن مريم موت تو درکنار ابھی تک تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ بھی نہیں فرمایا اور عرض کیا کہ ومن في الارض جميعا بھی تو ہے، کیا قیامت آگئی؟ ومن في الارض جميعا مر گئے؟ جب سارے مریں گے تو اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرمائیں گے، رہا امه کا لفظ سو اس میں کیا حرج ہے اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ابھی تک زندہ ہیں کوئی کفر ہے؟ اس پر بہت مسکرائے فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کیا، دیکھو میں بیان کرتا ہوں،

سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر باری تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کا ارادہ کر لیں تو کون روک سکتا ہے، خواہ ومن في الارض جميعا ہوں خواہ ان کی والدہ بھی ساتھ ہوں کوئی نہیں روک سکتا، اس سے معلوم ہوا کہ واو مفعول معہ واقع ہوا ہے اپنے ماقبل سے، مفعول معہ کا اپنے ماقبل کے ساتھ فعل میں شریک ہونا کوئی شرط نہیں جیسے استوى الماء والخشبة استوائی کا کام فقط پانی نے کیا لکڑی نے نہیں کیا، لکڑی تو ایک جگہ گاڑی ہوئی ہوتی ہے، پانی چڑھتا ہے جب پانی لکڑی کے سرے پر آ جاتا ہے تو عرب والے بولتے ہیں استوى الماء والخشبة، مفعول معہ واقع ہوا ہے اب دوسری مثال جیسے سرت والنيل یہاں والنیل بھی مفعول معہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اگر واو جمع کے لئے ہوتی تو سرت وجرى النيل ہوتا کیونکہ پانی کا کام جریان ہے نہ کہ سیر، پانی کا کام سیر کرنا، اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ میں نے سیر کی مع النیل کے یعنی میں نے نیل کے کنارے کنارے سیر کی۔

تیسری مثال كونوا انتم وبني ابيكم مكان الكليتين من الطحال، یعنی تم اپنے چچا زاد بھائیوں کے ساتھ یوں ہو جاؤ جیسے گردے تلی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم یک جان ہو کر رہو، یہاں وبني ابيكم مفعول معہ واقع ہوا ہے، یہ مطلب نہیں کہ تم ہو جاؤ اور تمہارے چچا زاد بھائی ہو جائیں۔

چوتھی مثال مات زيد وطلوع الشمس مطلب یہ ہے کہ زید

مرگیا سورج کے نکلنے کے وقت، یہ مطلب نہیں کہ زید مرگیا اور طلوع شمس بھی مرگیا، غرض اس طرح بہت طویل تقریر فرمائی بہت سی آیات اور بہت سے اشعار پیش فرمائے۔

نوٹ: میں اپنے بچوں کو ایک دفعہ "متن آجرومیہ" پڑھا رہا تھا، مفعول معہ کے بیان میں اس میں یہ سب امثلہ موجود ہیں اور اشمونی میں بھی ہیں اور حافظ جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ نحو کا ہے اس میں بھی ہے، "متن آجرومیہ" میں یہ کمال ہے کہ ہر ایک مسئلہ کی مثال میں قرآن اور حدیث کو پیش فرماتے جاتے ہیں، "آجرومی" کہتے ہیں حبشی زبان میں صوفی کو۔

(۱) حضرت حجۃ الاسلام مولانا مولوی انور شاہ صاحب فتنہ کے معنی کیا کرتے تھے جس میں آدمی کو اپنا دین سمجھانا مشکل ہو جائے۔

(۲) إن في ذلك لذكرى لمن كان له قلب او ألقى السمع وهو شهيد.

اس میں بڑی یاد داشت ہے اور نصیحت ہے جس کا دل ہو یا کان لگائے اور وہ حاضر حواس ہو، شہید کے معنی حاضر الحواس یعنی مختل نہ ہو۔

ایک دفعہ مولانا محمد ادریس صاحب کیمرہ ذوی کو یہ فرمار ہے تھے دیکھنا مختل نہ بننا۔

(۳) إليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصالح يرفعه

اس کا ترجمہ یوں کرتے تھے اس کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور نیک عمل کو باری تعالیٰ خود اٹھاتے ہیں، کیوں کہ پاک کلمات جو اس کا

کلام ہے اس کی طرف چڑھتے ہیں اور عمل نیک تو ہمارا فعل ہے اس کو جب قبول فرماتے ہیں تو اپنی طرف کو اٹھا لیتے ہیں۔

(۴) إذا غلا واشتد جو فقہاء شراب کے معنوں میں لکھتے ہیں اس کا ترجمہ یوں کیا کرتے تھے جب کہ جوش مارا اور تیز ہو۔

(۵) ایک دفعہ ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا بدیہی اس کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہو سکے، جو چیزیں کہ ہم دیکھتے ہیں یا جو باتیں کہ ہم سنتے ہیں یا جو چیزیں ہم چکھتے ہیں یا جو چیزیں ہم سونگھتے ہیں یا جن چیزوں کو ہم لمس کرتے ہیں وہ بدیہی ہے۔

ایک مولوی صاحب ہمارے ساتھی تھے ان کو مولوی محمد اسحاق کہتے تھے، وہ آج کل شاید ایبٹ آباد کی جامع مسجد کے خطیب ہیں انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ بدیہی کس کو کہتے ہیں سلم العلوم کی عبارت زبانی پڑھ کر سنائی، فرمایا کہ میں تو بدیہی کا مصداق پوچھتا ہوں، اور تم سلم کی عبارت سناتے ہو۔

(۶) حلول معنی ہیں کھپ جانا، خواہ حلول سریانی ہو خواہ طریانی۔

(۷) فرمایا کہ فلاسفہ یونان نے جسم کے معنی کیے ہیں، قابل ابعاد ثلاثہ، اور جسم کہتے ہیں جو ہیولیٰ اور صورت جسمیہ سے مرکب ہو، قابل ابعاد ثلاثہ ہونا یہ تعریف صورت جسمیہ پر تو صادق آتی ہے اور ہیولیٰ پر صادق نہیں آتی۔ اور صدر الدین شیرازی کہتے ہیں کہ جو تعریف کہ سب اجزاء پر صادق نہ آئے وہ تعریف جائز نہیں، لہذا ان کے اعتبار سے جسم کی تعریف صحیح نہ

ہوئی۔ میں نے ایک تحریر لکھی ہے جس میں ارسطو کا فلسفہ میں غلطیاں کھانا لکھا ہے، اور وہ تحریر بہت لمبی ہے میں نے دکھایا ہے کہ ارسطو تعریف جسم کی کر نہیں سکا، اور فلاسفہ نے جگہ جگہ ٹھوکریں کھائی ہیں، میری تحریر امام غزالی سے زیادہ محقق ہے۔

(۸) جب علامہ ابن رشد اندلسی کی کتاب طبع ہو کر آگئیں اور میں نے مطالعہ کیا، اور اس کا امام غزالی پر رد دیکھا تو میں ابن رشد سے بدظن ہو گیا، لیکن جب ابن رشد مالکی کی بدایۃ المجتہد اور نہایۃ المقتصد مطالعہ کی تو مجھے استغفار کرنا پڑا۔

(۹) فرمایا کہ مجھے ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ اثبات باری تعالیٰ پر نیوٹن نے بڑی عمدہ کتاب لکھی ہیں، فرمایا کہ نیوٹن کی میں نے چند تصانیف دیکھی ہیں میں نے جو رسالہ لکھا ہے اور اس میں جو دلائل قائم کئے ہیں "ضرب الخاتم علی حدوث العالم" اور "مرقاۃ الطارم" اس کو نیوٹن نہیں پہنچ سکا، پھر اقبال نے ضرب الخاتم مجھ سے لے لی اور اس نے بہت سے خطوط لکھ کر ضرب الخاتم کو مجھ سے سمجھا۔ میرے نزدیک جو کچھ "ضرب الخاتم" کو اقبال سمجھے ہیں اس کو کوئی مولوی بھی نہیں سمجھ سکا۔

(۱۰) ایک دفعہ میرے دریافت کرنے پر بہاول پور میں فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کو میں نے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ قلمی دیا تھا، "غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان" کہ زمان کیا ہے اور مکان کیا ہے اس کی عراقی نے بڑی عمدہ تحقیق کی ہے، نیوٹن نے جو کچھ لیا ہے وہ علامہ عراقی سے

لیا ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں، یہ سن کر حیران ہو گیا۔ پھر اس نے یورپ کے اخباروں میں بیانات دیئے، یہ قصہ ۱۹۲۸ء میں جب ڈاکٹر اقبال نے خطبہ صدارت سنایا تھا، بھی سنایا تھا۔

(۱۱) دسمبر ۱۹۲۸ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے الشرقیہ کا ایک جلسہ ہوا تھا جس کی صدارت ڈاکٹر اقبال نے کی تھی، اور حقیر بھی اس جلسہ میں شریک تھا، ڈاکٹر اقبال نے یہ قصہ اس میں بھی سنایا تھا اس جلسہ میں کلکتہ تک کے پروفیسر جمع ہوئے تھے اور حیدر آباد سے مولانا حبیب الرحمن صاحب شیروانی بھی ایک جلسہ کی صدارت کے لئے تشریف لائے تھے اس میں تمام پروفیسر حضرات شاہ صاحب کی تحقیقات ڈاکٹر اقبال کی زبان سن کر حیران رہ گئے۔

(۱۲) مولانا غلام محمد صاحب مرحوم برادر خورد مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان فرماتے تھے کہ جب میں مدرسہ اشاعت العلوم بریلی میں پڑھتا تھا تو ہمارے سالانہ امتحان لینے کے لئے حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب تشریف لائے اور میرا مشکوٰۃ شریف میں امتحان لیا، اور یہ حدیث تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے، اور میں پانی لینے میں پیش قدمی کرتی تھی، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ پیش دستی کرتی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ ہمیں تو استادوں نے پیش قدمی پڑھایا اور اصل ترجمہ پیش دستی ہے۔

(۱۳) ہمارے استاد حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ
فرماتے تھے کہ جب میں سہارنپور مظاہر العلوم میں پڑھتا تھا تو ایک دفعہ
حضرت شاہ صاحب تشریف لائے جب حضرت چلنے لگے تو میں نے حضرت کا
سامان اٹھا لیا، اور اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ اس وقت گاڑی نگینہ تک جاتی تھی،
حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا نام محمد انور شاہ ہے میں اس وقت مولانا
مشیت اللہ بجنوری کے ہاں جا رہا ہوں اگر کوئی کام ہو تو مجھے اطلاع کرنا۔
مولانا مشیت اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت بجنور ہمارے پاس تشریف
لایا کرتے تھے ہم اکثر حضرت کو شکار کے لئے گھوڑے پر سوار کر کے لے
جاتے تھے جو گھوڑا کہ منہ زور ہوتا تھا اس پر حضرت کو بٹھاتے تھے، حضرت شاہ
صاحب بڑے ہی شہسوار تھے اور نشانہ خوب لگاتے تھے، ایک دفعہ ہم نے
مکان کا فوٹو کھنچوایا تو حضرت شاہ صاحب نے فوٹو گرافر سے فرمایا کہ تم لوگ
یہ مصالحے استعمال کرتے ہو وہ فوٹو گرافر حیران رہ گیا۔

(۱۴) ایک دفعہ فرمایا کہ میرے پاس سامان نہیں ورنہ میں ہوائی
جہاز کی آواز کو بند کر دیتا۔

غرض کہ آپ کی نظر سے کوئی بھی چیز اوجھل نہیں رہی تھی۔ حضرت
رائے پوری مولانا عبد القادر صاحب فرماتے تھے کہ شاہ صاحب تو آیات من
آیات اللہ تھے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس روز بہاولپور پہنچے اس کے دوسرے روز حضرت خاتم المحدثین
مولانا سید انور شاہ صاحب کی خدمت میں علماء جمع ہوئے جن میں خاص طور
پر قابل ذکر حضرت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب مرحوم اور حضرت مفتی محمد شفیع
صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب سہارنپوری اور
حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سہارنپوری اور احقر بھی شامل تھا، اگلے دن
چونکہ مولانا محمد شفیع صاحب کی شہادت تھی اس لئے مشورہ ہوا کہ شہادت میں
بیان کس طرح دیا جائے، مولانا اسعد اللہ صاحب اور احقر محمد الطیبوری عفا
اللہ عنہ کو حضرت شاہ صاحب نے تجویز فرمایا کہ بطور مختار مقدمہ کام کریں،
مدعیہ کی طرف سے ہم دونوں مختار مقرر ہوئے، اور ہم نے اس کام کو بزرگوں
کے زیر سایہ بحمد اللہ نبھایا۔ میں نے اس مجلس میں عرض کیا کہ مرزا غلام احمد
قادیانی نے ''انجام آتھم'' میں لکھا ہے کہ جس شخص نے کسی اجماعی عقیدہ کا
انکار کیا تو اس پر اللہ کی لعنت اور اس کے رسول کی لعن اور اس کے فرشتوں کی
لعنت اور سب لوگوں کی لعنت ہے، پھر مرزا غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت جو
ایک اجماعی عقیدہ ہے اس کا انکار کیا اور حیات عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ
اجماعی ہے اس نے خود ہی عیسیٰ بننے کا دعویٰ کر دیا، حالانکہ علماء نے تشریح کی
ہے کہ یہ عقیدہ اجماعی ہے اور اس کا منکر کافر ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی تعظیم
وتکریم کرنا اور ان پر اعتقاد کرنا بھی اجماعی عقیدہ ہے، چنانچہ علماء نے اس کی
بھی تصریح کی ہے کہ توہین انبیاء علیہم السلام العیاذ باللہ توہین کرنا تو کفر ہے،

چنانچہ "الصارم المسلول" میں حافظ ابن تیمیہ نے قرآن اور حدیث اور بے شمار علماء کی کتابوں سے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے، میں نے جب یہ بات کی تو حضرت شاہ صاحب اس کو غور سے سنتے رہے پھر، اگلے دن صبح کو میرے پاس مفتی محمد شفیع صاحب تشریف لائے کہ وہ عبارت کہاں ہے میں نے نکال کر پہلے پہلے تو اپنی بیاض میں سے دکھایا، پھر اصل کتاب میں سے وہ عبارت نکالی جب کچہری کو چلے گئے تو میرے پاس کچہری میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب تشریف لائے کہ وہ عبارت جو تو نے حضرت شاہ صاحب کے سامنے پڑھی تھی وہ مجھے دکھا، پھر میں نے اپنی بیاض میں سے ان کو وہ عبارت لکھوادی، اور اصل کتاب سے بھی دکھادی۔ پھر تو حضرت شاہ صاحب ہر مشورے میں حقیر کو بلاتے تھے اور بڑا اہتمام فرماتے تھے، مولانا محمد شفیع صاحب کے بعد مولانا مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم کا بیان ہوا حضرت شاہ صاحب نے بیان دیا، احقر اس خدمت پر مامور تھا کہ کتابوں سے عبارات و حوالہ جات نکال کر حضرت شاہ صاحب کے سامنے رکھتا تھا یہ میں نے حضرت کی بڑی کرامت دیکھی جس کتاب کے متعلق فرماتے تھے کہ فلاں کتاب سے یہ عبارت نکال تو میں فوراً نکال کر دکھا دیتا تھا اور حضرت اس عبارت کو پڑھ کر جج صاحب سے لکھوا دیتے تھے۔ درمیان میں قادیانی مختار مقدمہ نے کہا کہ آپ حوالہ دیں، آپ نے فرمایا کہ میں جب حوالہ دینے پر آؤں گا تو کتابوں کے ڈھیر لگا دوں گا، پھر فرمایا کہ جج صاحب انہوں نے کبھی مولوی دیکھے نہیں۔

ضروری ہے کہ اس کا سامان سارے کا سارا مہیا کیا جائے، چونکہ کلمہ اللہ کا اس کا متکفل ہے کیوں کہ یہ علم ہے اس ذات پاک کا جو مجتمع جمیع صفات کمال ہے، پھر اس کام کے پورا ہونے تک وہ سامان باقی بھی رہے اس کا رحمٰن کا کلمہ متکفل ہوا یعنی بقاء عالم اس کلمہ کے ساتھ مربوط ہے۔ تیسرے پایا جانا بندہ اس کام کا، اور یہ صفت رحیمی کا کام ہے کہ اپنی رحمت سے محنت بندوں کی برباد نہیں کرتا، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جامع الادیان ہے اس لئے تسمیہ میں یہ تمام نام جمع فرمائے گئے، عربوں کے ہاں تو کلمہ اللہ کا مشہور ہی تھا (بنی اسماعیل میں) بنی اسرائیل میں لفظ رحمٰن مشہور تھا۔ ﴿قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ﴾ قرآن عزیز نے دونوں اسماء کو جوڑ دیا کہ جو تم بھی پکارو سب اسماء حسنیٰ ہیں، پہلے عرب یوں کہتے تھے وما الرحمٰن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا تھا، پھر قبلہ تا قیامت کعبہ شریف ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں سے ہیں جب کہ دوبارہ تشریف لائیں گے تو کعبہ شریف ہی کا رخ کریں گے اور حج بھی کریں گے یعنی شریعت محمدیہ پر عمل درآمد کریں گے یہ اس طرف اشارہ ہوگا کہ سب ادیان ایک ہو گئے اور محمد رسول اللہ ہی خاتم الانبیاء ہیں یہ عملی طور پر ثابت فرما دیں گے۔ بزرگان دین نے ان اسماء کا ورد کرنا فرمایا ہے تا کہ ان کی برکت سے دینی و دنیاوی نعمتیں ملتی رہیں۔

☆☆☆

سورہ فاتحہ

الحمد للہ رب العلمین

(ب) بسم اللہ شریف اگرچہ فاتحہ کا جزو نہیں لیکن قرآن کا جزو ضرور ہے اور اس کا پڑھنا شروع رکعت میں اکثر کے نزدیک واجب ہے، زیلعی شرح کنز اور زاہدی نے مجتبیٰ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح روایت ہے۔

بوصیفہ نے (وہبانیہ میں ہے) نے اپنے منظومہ میں فرمایا ہے

ولو لم يبسمل ساهيا كل ركعة
فيسجد إذ ايجابها قال أكثر

کبیری میں بھی لکھا ہے کہ یہی احوط ہے۔

سورہ فاتحہ کیسے ہے یہاں حمد پر الف لام استغراق کا ہے، یعنی سب افراد حمد کے اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جناب باری تعالیٰ عزاسمہ نے اپنی حمد ذات پاک کے ساتھ مخصوص فرما کر بعد میں اس کی تین صفات علی الترتیب ذکر فرمائیں (۱) تربیت، (۲) رحمت، (۳) جزا، اس لئے کہ کوئی کسی کی تعریف جب کرتا ہے یا تو اس لئے کہ اس کے احسانات سابقہ اس کے مد نظر ہوتے ہیں یا زمانہ حال میں اس پر احسان کرتا ہے یا آئندہ کو امید ہوتی ہے کہ مجھ پر احسان کرے گا۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بندے حمد و ثنا کریں وہ اس واسطے بھی ہے کہ میں نے ان پر بے شمار نعمتیں پہلے عطا کی ہیں کہ صفت ربوبیت کی رکھتا ہوں ان کو پیدا کرنا اور تربیت ظاہری اور باطنی کرنا اور جو نظر اس پر کریں

کہ اس کی نعمتیں بے شمار فی الحال موجود ہیں کہ رحمٰن و رحیم ہوں۔ اور اگر دور اندیشی کا طریق اختیار کریں تو بھی میں ہی مستحق حمد ہوں کہ جزا بھی میری طرف سے ملے گی، غرض ہر ہر جوڑ کی عبادت الگ الگ ہے، مثلاً دل کی عبادت یہ ہے کہ جو عقائد انبیاء علیہم السلام لائے ہیں ان پر یقین کرنا اور حق مان لینا اور اس پر دوام کر لینا، روح کی عبادت یہ ہے کہ اس کے مشاہدہ میں غرق رہنا اور اس کے مراقبہ میں آرام پانا، دوسری عبادت یہ کہ اس کی معرفت میں ذو بار رہنا حتیٰ کہ ولا تكن من الغافلين نصیب ہو جائے، غرض عبادت کی حقیقت یہ کہ اس کی مرضیات میں غایت تذلل کے ساتھ اپنے تمام اعضاء اور ظاہری باطنی قوتوں کو لگائے رکھے اور ایک دم بھر کے لئے غافل نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ جب بندہ الحمد للہ رب العالمین کہتا ہے تو ادھر سے ارشاد ہوتا ہے حمدني عبدي اور الرحمن الرحيم کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے اثنى علي عبدي جب مالك يوم الدين کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے مجدني عبدي بندے نے میری بزرگی بیان کی، اياك نعبد و اياك نستعين جب کہتا ہے تو فرماتے ہیں هذا بيني وبين عبدي ولعبدي ما سأل یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور میرے بندے کو ملے گا جو وہ سوال کرے گا۔ اور جب اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين کہتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے هذا لعبدي ولعبدي ما سأل یہ

میرے بندے کا حق ہے، اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے سوال کیا۔ حدیث کے شروع میں قسمت الصلاۃ بینی وبین عبدی یہاں پر صلاۃ بمعنی سورۃ فاتحہ، حدیث بخاری میں یوں بھی وارد ہے واذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقولوا امین، جب امام کہے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم امین کہو یعنی الحمد شریف کے ختم پر آمین کہنا چاہئے معلوم ہوا کہ الحمد شریف پڑھنا حق امام کا ہے مقتدی کا حق صرف آمین کہنا ہے۔

جیسے وارد قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد سو اس کو آہستہ ہی کہتے ہیں آمین بھی آہستہ ہی کہنا چاہئے۔ آمین کے معنی اے اللہ تو قبول فرمالے۔ (استجب)

انعمت علیہم، چار قسم کے گروہ ہیں انبیاء، صدیقین، شہداء صالحین، یعنی آخرت میں ان کے ساتھ حشر فرما۔ عوام کو چاہیئے کہ صالحین کی صحبت اختیار کریں اور ان کے سینوں سے انوار لیتے رہیں ان کا طریق اختیار کر لیں، صالحین بسبب کمال متابعت کے اپنے ظاہر کو گناہوں سے پاک رکھتے ہیں اور اپنے باطن کو اعتقادات فاسدہ اور اخلاق رذیلہ سے دور رکھتے ہیں اور یاد حق میں ایسا لگ جاتے ہیں کہ دوسری طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی ان میں نہیں رہتی تا آنکہ باری تعالیٰ ان کو پھر دوسری جانب سے محفوظ فرما دیتا ہے، ﴿الذین امنوا وکانوا یتقون﴾ اور شہداء وہ حضرات ہیں کہ ان کے قلوب مشاہدات حق میں، اور تجلیات میں مستغرق ہوتے ہیں اور

جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے پہنچایا ہے دل ان کے اسی شان سے قبول کر لیتے ہیں، گویا دیکھتے ہیں اسی واسطے راہ حق میں جان دے دینا ان کے لئے آسان کام ہوتا ہے۔ اور صدیق وہ ہیں کہ قوت نظریہ ان کی مثل انبیاء علیہم السلام کی طرح کامل ہوتی ہے، اور ابتداء عمر سے جھوٹ بولنے اور دورنگی سے دور رہتے ہیں امور دین میں بالکل خدا کے واسطے لگے رہتے ہیں خواہش نفس کو ہرگز ہرگز دخل نہیں ہوتا، صدیق کی نشانی یہ ہے کہ اس کے ارادہ میں تردد بالکل نہیں ہوتا، انبیاء علیہم السلام وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کی تربیت بدست باری تعالیٰ عزاسمہ فرماتے ہیں کہ نور پاک کی تاثیر ان میں ایسی کامل ہوتی ہے کہ مطلقاً غلطی اور شبہ ان کے معلومات میں راہ نہیں پاتے اس کو اللہ تعالیٰ معصوم اور محفوظ رکھتا ہے، لہذا لوگوں پر واجب ہے کہ بے تفتیش وجہ کے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے احکام مان لیں، انبیاء پر اعتراض کرنا یہود نے شروع کیا العیاذ باللہ

صراط الذین انعمت علیہم گو ظاہر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء علیہم السلام کے بعد میں تشریف لائے لیکن باطن میں آپ کی ہدایت سابقین انبیاء علیہم السلام میں سرایت کرتی رہی، اولئک الذین ہدی اللہ فبہداہم اقتدہ یعنی ان کی ہدایت بھی آپ ہی کی ہدایت ہے جو ان کے باطن میں سرایت کر گئی، تو جب آپ اس کی ہدی پر چلیں گے تو یہ درحقیقت ان کا ہدایت پانا آپ کی ہدایت سے ہوا، کیوں کہ آپ کو اولیت باطناً حاصل ہے اور ظاہراً آخریت ہے، ورنہ بہم اقتدہ ہوتا، اور حدیث

کنت نبیا و آدم بین الماء والطین وغیرھا نصوص اسی طرف مشیر ہیں کہ جو متقدم نبی ہوئے ہیں وہ نبی بعثت میں آپ ہی کے نائب ہوئے ہیں، بردہ نال والی حدیث بھی اسی کی موید ہے۔ فعلمت علم الأولین والآخرین سے مراد انبیاء ہی ہیں جو اول ظہور پذیر ہوئے (ایسے ہی آخرین سے مراد وہ انبیاء جو بہ نسبت اولین کے بعد میں آئے) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل ہی تشریف لائے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد شریف کے ظہور سے متقدم تھے، الیواقیت ج ۲ ص ۱۸۔

ھدی للمتقین معلوم ہو کہ تقوی کا اطلاق معانی متفاوتہ پر ہوتا ہے، کبھی ایمان کے معنوں میں آتا ہے والزمھم کلمة التقوی کبھی توبہ کے معنی دیتا ہے مثلاً ولو ان اھل القری امنوا واتقوا کبھی طاعت کے معنوں میں آیا ہے، مثلاً ان انذروا انہ لاالٰہ إلا انا فاتقون، کبھی ترک گناہ پر بولا گیا ہے مثلاً واتوا البیوت من ابوابھا واتقوا اللہ کبھی اخلاص کے معنی میں آتا ہے فانھا من تقوی القلوب، از فتح العزیز۔

الم یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں، ان سے کیا مراد ہے ہمیں اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، بس ہم ایمان لاتے ہیں کہ یہ بھی کلام ربانی ہے ایک راز ہے اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان، ذلک الکتاب یہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی عظمت کی طرف اشارہ ہے لاریب فیہ اس کے برحق اللہ کا کلام ہونے میں کوئی شک نہیں، کیوں کہ کھلا عام اور دائمی چیلنج کیا گیا کہ اگر تمہیں ریب ہے تو اس طرح کا کلام بنا لاؤ یا کم از کم سورتیں ہی بنا لاؤ، کم از کم

ایک ہی سورت بنا لاؤ تم بھی اہل لسان ہو عرب ہو مکہ معظمہ کے رہنے والے ہو عرب العرباء ہو، مگر بحمد اللہ آج تک کوئی نہ لا سکا یا تو اس کی مثل لا دیا پھر جب مقابلہ کی تاب نہیں تو اس پر ایمان لاؤ۔

ھدی للمتقین یہ قرآن ہادی ہے متقین کے لئے، یعنی جو پرہیز کرتے ہیں انہیں اس قرآن سے فائدہ پہنچتا ہے اس کے ہادی ہونے میں تو کچھ شک نہیں لیکن جو اس پر عمل کرے گا اس کے حرام کو حرام سمجھے گا اور حلال کو حلال یقین کرے گا ممنوعات سے پرہیز کرے گا وہی شفایاب ہوگا، ورنہ اس کے تو شافی ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں۔

الذین یؤمنون بالغیب یعنی جو لوگ ایمان بالغیب لاتے ہیں اور باری تعالیٰ کو ذات اور صفات اور افعال میں یکتا یقین کرتے ہیں، حالانکہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا فقط محمد رسول اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے یقین کر لیا یہی ایمان بالغیب ہے تمام ثواب اور عقاب یہ سب امور غیبیہ ہی ہیں۔

ایمان کے معنی لغت میں گرویدن، باور کردن اور اصطلاح میں انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر جو کچھ باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں یقین کر لینا اور مان لینا ایمان کہلاتا ہے۔ کفر کے معنی مکر جانا یعنی منکر ہو جانا، یعنی جو امور انبیاء علیہم السلام باری تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کے حق ہونے میں شبہے نکالنا یا تکذیب کرنا کفر کہلاتا ہے۔

ویقیمون الصلاة اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کے فرائض واجبات و شرائط سنن مستحبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر دوام کرتے ہیں یعنی

پوری اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

﴿ومما رزقناهم ينفقون﴾ جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ بھی کرتے ہیں یعنی مال میں غرباء کا بھی حق یقین کرتے ہیں۔

﴿وفي أموالهم حق للسائل والمحروم﴾، ﴿والذين يؤمنون بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك﴾، یہ متقی لوگوں کا ہی تفصیلی حال ہے مومنین اہل کتاب ہی ضروری نہیں کہ اس سے مراد ہوں، چنانچہ فرماتے ہیں ﴿قل آمنا بالله وما أنزل علينا وما أنزل على إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وما أوتي موسى وعيسى والنبيون من ربهم لا نفرق بين أحد منهم ونحن له مسلمون﴾ (پ ۳ رکوع آخری) اور پارہ اول رکوع آخری میں ﴿قولوا آمنا بالله وما أنزل إلينا وما أنزل إلى إبراهيم وإسماعيل وإسحاق ويعقوب والأسباط وما أوتي موسى وعيسى وما أوتي النبيون من ربهم﴾ بھی آیا ہے، اور سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں یہ بھی آیا ہے ﴿آمن الرسول بما أنزل إليه من ربه والمؤمنون كل آمن بالله وملائكته وكتبه ورسله لا نفرق بين أحد من رسله﴾، ﴿أولئك على هدى من ربهم وأولئك هم المفلحون﴾ یعنی یہی لوگ ہیں جن کو اپنے رب کی طرف سے ہدایت مل گئی اور آخر میں کامیاب ہوں گے۔

ایمان کی تحقیق کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرمایا (فتح العزیز) کہ ایمان کا ایک تو وجود ذہنی ہے دوسرا وجود عینی تیسرا وجود لفظی، وجود عینی تو اصل ہے ایک نور کی جو بسبب حجب رفع ہونے کے حاصل ہوتا ہے، جب بندہ مومن میں اس کے رب تعالیٰ شانہ میں حجاب رفع ہو جاتا ہے یہی نور جس کو ﴿كمشكوة فيها مصباح﴾ اور ﴿الله ولي الذين آمنوا يخرجهم من الظلمات إلى النور﴾ میں فرمایا ہے جب حجاب رفع ہوتا ہے اور نور ایمان قوت پکڑتا ہے اور اوج کمال کو پہنچتا ہے تو وہ نور پھیل کر تمام اعضاء کو گھیر لیتا ہے، پھر پہلے تو شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور حقائق شیء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر حقائق ہر شیٔ کے متجلی ہوتے ہیں ہر ایک شیٔ تو اپنے مقام پر جلوہ گر پاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا صدق جن اشیاء کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے تفصیلی طور پر اس پر منکشف ہوتے ہیں، اور اوامر اور نواہی کے موافق حکم الٰہی پر عامل ہوتا ہے اس حال میں خصائل حمیدہ اخلاق فاضلہ پیدا ہوتے ہیں اور اعمال صالحہ نور معرفت کے ساتھ مل کر ایک عجیب روشنی پیدا کرتے ہیں ﴿يهدي الله لنوره من يشاء﴾

اور وجود ذہنی ایمان کا دو مرتبے رکھتا ہے، اول کلمہ ﴿لا إله إلا الله﴾ کے معنی کا انکشاف جس کو گرویدن اور باور کردن بھی کہتے ہیں اس کا نام تصدیق اجمالی ہے، دوم ہر شیٔ کا تفصیلی طور پر منکشف ہونا اور جو رتبہ ان میں ہے اس کو بھی لحاظ رکھنا۔

اور ایمان کا وجود لفظی شریعت کی اصطلاح میں کلمہ شہادتین کا

اقرار ہے اور کلمات میں کلمہ طیبہ کو زبان سے جاری کرنا۔

ان الذین کفروا، یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور کفر پر ہی مر گئے

اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آخری عمر میں ایمان لایا اور ایمان پر خاتمہ ہوا تو وہ مومن ہے اس طرح کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو جائے۔ کفر کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کے دین محمدی ہونے سے ہی انکار کردے، اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ اس کی حقیقت پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔

ختم اللہ علی قلوبھم، یعنی ان کے دلوں پر مہر کر دی اللہ تعالیٰ نے اور ان کے کانوں پر بھی مہر ہے جیسا کہ وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ کا استدلال دوسروں کا بھی نہیں ہے اور ان کی بینائیوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ بالکل دیکھنے نہیں دیتا۔ دل اور کان پر مہر کا ذکر کیا اور بینائیوں پر پردہ کا ذکر فرمایا، اس کا سبب یہ کہ یہ چیز مدرکات کو باہر سے اندر کی طرف لاتی ہیں، آنکھ پر پردہ کا ذکر اس لئے کیا کہ پردہ آنکھ کی شعاع کو باہر نکلنے سے روکتا ہے، اور وہی منشا رویت کا ہے، اور عقلاء کا قاعدہ یاد ہوا ہے کہ باہر کی چیزوں کے اندر آنے سے روکنے کے لئے مہر کرتے ہیں اور اندر کی چیزوں کو روکنے کے لئے پردہ ڈالتے ہیں۔

ومن الناس یعنی یہ دعوی دونوں علموں کا کرتے ہیں علم توحید اور علم معاد کا یہی دو علم اصل دین ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم نہ تو مشرک ہیں نہ محجوب حق سے ہیں، حالانکہ ایمان ان کی ذات سے مسلوب ہے کسی وقت نصیب نہ

ہوگا، ان کو منافق کہتے ہیں، نفاق کی کئی اقسام ہیں جیسے کہ احادیث میں مروی ہیں۔

قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل، یعنی جزا در حقیقت مجری علیہ کے ظہور ہی کو دوسری شکل میں کہتے ہیں یعنی وہ اعمال ہی ہوں گے جو ثمرات کی اشکال میں نمودار ہوں گے۔ ﴿ذوقوا ما کنتم تعملون﴾ ﴿فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ﴾۔

دانہ خلاف تخم نے ہر چہ بود ز جبر وقدر
آنچہ کہ کشتہ درو حظ پہ حظ جو ز جو

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں معنی تنزیہی نے دنیا میں تو یہ ان کلمات طیبات کا ہے ممکن ہے آخرت میں یہی اعمال صالحات اور کلمات طیبات ثمرات اور اشجار کا لباس پہن لیں گے جیسے حدیث میں ہے کہ ایک نہایت ہی جمیل آدمی قبر والے کو مانوس کرنے کے لئے پاس رہے گا وہ نیک عمل ہی اس شکل میں ہوگا معانی مجسد ہو جائیں گے۔

یا ایھا الناس اعبدوا، مخلص ندا ہے کہ باری تعالیٰ نے ان آیات میں پانچ نعمتیں جو دلائل توحید کے ہیں بیان فرمائیں

اول انسان کی پیدائش، دوم پیدائش ان کے باپ دادوں کی، ان دونوں نعمتوں کو ایک جگہ فرمایا۔ سوم پیدائش زمین کی۔ چہارم وہ نعمت جو دونوں سے حاصل ہوئی کہ آسمان سے پانی برسا اور زمین سے غلے، پھل جو مخلوق کی غذا ہے۔ ان تینوں نعمتوں کو یکجا لانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی دو نعمتیں

نفس سے متعلق ہیں اور تینوں نعمتیں جسمانی ہیں، پہلی نعمتوں کو مقدم اس لئے رکھا کہ انسان کو سب سے زیادہ قرب اپنے نفس سے ہوتا ہے پھر اپنے اصول اقرباء ماں باپ وغیرہ سے، پھر زمین جو جگہ نفس کے رہنے کی ہے، پھر جب نظر اٹھاتے ہیں آسمان کو دیکھتے ہیں پھر وہ چیز ذکر فرمائی جو مجموعہ ان دونوں کی، اور چھت سے پیدا ہوتی ہے یعنی بارش، پس جیسا کہ ان انعامات کا دینے والا فقط باری تعالیٰ ہی ہے کوئی اس کا شریک سہیم نہیں لہٰذا شکر میں اسی ہی کو مخصوص کرو کسی چیز کو عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ چہ جائیکہ اس کا شریک الہیت میں اور اس کی صفات کمال میں ہو۔

قولہ تعالیٰ ﴿الذین ینقضون عہد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ﴾، شریعت کے عرف میں ایمان تصدیق کو کہتے ہیں یعنی گرویدن باور کردن، جو چیزیں کہ بالیقین معلوم ہیں کہ دین محمدی سے ہیں اس لئے کہ ایمان کو قرآن میں جابجا دل کے کام سے تعبیر فرمایا گیا ہے چنانچہ ﴿قلبہ مطمئن بالایمان﴾ ﴿کتب فی قلوبہم الایمان﴾ ﴿ولما یدخل الایمان فی قلوبکم﴾ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دل کا کام بھی تصدیق ہی ہے اور بس، نیز ایمان کا عمل صالح کے ساتھ مقرون فرمایا، ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات اور معاصی کے ساتھ بھی ذکر فرمایا چنانچہ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا والذین آمنوا ولم یہاجروا پس معلوم ہو کہ اعمال نیک کو ایمان میں دخل نہیں نہ اعمال بد سے ایمان درہم برہم ہوتا ہے اور اقرار محض کی بھی بلا تصدیق مذمت کی ہے

ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وما ہم بمؤمنین

پس معلوم ہوا کہ اقرار محض تو ایمان کی حکایت ہے، اگر محکی عنہ کے مطابق ہو تو معتبر ہے ورنہ کچھ نہیں بلکہ محکی عنہ تو تصدیق ہی ہے۔

تحقیق مقام اس جگہ یوں ہے کہ جس طرح ہر چیز کا تین طرح کا وجود ہے ایمان کا بھی تین طرح کا وجود ہے، ایک لفظی، دوم ذہنی، سوم عینی، وجود عینی تو اصل ہے، باقی وجود اس کے تابع ہیں، ایمان کا وجود عینی تو وہ نور ہے جو دل میں حاصل ہوتا ہے اور اس کے سبب سے تمام پردے حیرت و بیّن الحق رفع ہو جاتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوۃ فیہا مصباح میں تمثیل کمل فرمائی گئی۔

چنانچہ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور اس کا سبب بیان فرمایا کہ یہ نور تو محسوس کی طرح قوت وضعف، ازدیاد و انتقاص قبول کرتا ہے، چنانچہ آیت واذا تلیت علیہم آیاتہ زادتہم ایمانا، اس کی زیادتی کا طریقہ یہ ہے کہ جوں جوں حجاب مرتفع ہوتا جاتا ہے وہ نور زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ایمان قوت پکڑتا ہے تا آنکہ اوج کمال تک پہنچ جاتا ہے اور خوب پھیل جاتا ہے اور جمیع قویٰ اور اعضاء کو گھیر لیتا ہے۔ پس اس تو شرح صدر ہوتا ہے اور اشیاء کے حقائق پر مطلع ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ عقائد بیان فرمائے ہیں وہ وجدانی ہو جاتے ہیں اور بقدر انشراح صدر کے ہر امر کے بجا لانے میں مستعد ہوتا ہے اور تو ہی سے جذب کرتا ہے۔ وجود لفظی ایمان کا حکم شہادتین ہے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ۔

ثم استوی إلی السماء، خواہ وہ ارض کو پہلے کہو خواہ تسویہ آسمان کو پہلے کہو سب درست ہے۔

إني جاعل في الأرض خليفة اس میں فرمایا گیا کہ مسئلۂ توحید کے بعد ایمان نبوت پر لانا فرض ہے، یہ بھی فرمایا گیا کہ اطاعت اللہ جب معتبر ہے کہ اس کے فرمانے پر اس کے غیر کی اطاعت کرے، جیسے أطيعوا الله وأطيعوا الرسول اور اس میں حسن و قبح کا عقلی یا شرعی ہونا بھی فرمایا گیا، اور عدل اور جور بھی منکشف کیا گیا اور اسماء، احکام وعدہ اور وعید بھی بیان فرمائے گئے، اور تقدیر خیر و شر من اللہ تعالیٰ اور یہ کہ سب امور کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ کی طرف ہے، اور یہ کہ شرف عبودیت میں ہی ہے اور توبہ میں ہے اور یہ کہ لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون اور یہ کہ آخری حیلہ مراحم خسروانہ میں اپیل دائر کرنا ہے۔ اور یہ کہ سبقت رحمتي غضبي اور اس میں یہ کہ تفضیل انبیاء علیہم السلام کی سب پر ہے، اور مسئلہ جبر و قدر بھی اس میں آ گیا إني أعلم ما لا تعلمون، جو کچھ کہ آدمی کے جوارح و اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے اول اس کا وجود مرتبہ روح میں ہوتا ہے پھر قلب میں پھر قوائے نفسیہ میں پھر جوارح اور اعضاء پر ظہور پذیر ہوتا ہے، بلى من كسب سيئة وأحاطت به خطيئته فأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون اس کے ذیل میں وجہ یہود کے قول لن تمسنا النار إلا أياما معدودة اور انکار متواترات دین بھی کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اعتقاد فاسد اور ان کی غلط روش اور تحریف کا یہ منشی تھا کہ چونکہ ہر شریعت میں معاصی

کے دو مرتبے رکھے ہیں ایک یہ کہ معاصی کو معاصی ہی اعتقاد کرے اور ملت حقہ کا جائز و واجب جانتا ہو اور عمل میں مخالفت کرتا ہو۔ مثلاً یقین جانتا اور مانتا ہے کہ شراب پینا حرام ہے ایسا ہی زنا چوری، ہو طلب بھی حرام ہیں کبائر ہیں لیکن حجاب کے باعث اس سے ان چیزوں کا صدور ہو جاتا ہے اس مرتبہ کا نام فسق و فجور اور عصیان ہے عياذا بالله اس کو وعید عذاب آخرت تو شریعت مقدسہ نے دیا ہے لیکن وہ ایک مدت مقررہ عند اللہ کے بعد ختم ہو جائے گا عذاب دائمی نہیں ہوگا۔

دوم یہ کہ اعتقاد بھی موافق شریعت حقہ کے نہ ہو، مثلاً جو چیز کہ نفس الامر میں ثابت ہے خواہ از قسم الٰہیات ہو یا قیامت کے متعلق ہو خواہ شعائر اللہ سے تعلق ہو مثلاً اللہ کی کتابوں پر ایمان ہو یا رسولوں یا احکام متواترہ دین کا انکار کرتا ہو اس کو جحود اور کفر اور زندقہ و الحاد کہتے ہیں، اس کے متعلق آخرت میں دائمی عذاب کا وعید سنایا ہے، اسی کو کہتے ہیں کہ الفاسق لا يخلد في النار والكافر خالد في النار

چونکہ ملت حقہ اس زمانہ میں صرف یہود ہی تھے جو کہ بنی اسرائیل تھے وہ اپنی غباوت سے یہ سمجھ گئے کہ بنی اسرائیل کو عذاب دائمی نہیں ہوگا، اور غیر بنی اسرائیل کو عذاب دائمی ہوگا۔ اس فرقے نے اپنی کند ذہنی سے فرق عنوان میں اور معنون میں نہ کیا اور کہہ دیا لن تمسنا النار إلا أياما معدودة، حق تعالیٰ شانہ نے اول تو اس کو اس طرح رد کیا کہ کیا تم نے خدا سے کوئی عہد اس پر کیا ہوا ہے؟ أتخذتم عند الله عهدا أم تقولون على

اللہ ما لا تعلمون کیونکہ اصل کلام میں تو تخصیص بنی اسرائیل اور یہود کی نہ تھی بلکہ نصوص تو مطلقاً اہل حق کا ذکر کرتی ہیں، پس نص صریح غیر منازع حسن کو عہد کہتے ہیں اس بات میں مفقود تھی، اور تاویلات اعتقادیات مصوبہ ایسے میں اس قابل نہیں کہ ان کی طرف توجہ کی جائے، نیز یہ کہ تحقیقی بیان سے ان کے شبہ کو حل فرمادیا کہ بلی من کسب سیئۃ و احاطت بہ خطیئتہ کہ فی علم وعمل اور خرابی عقیدہ وعمل کی اس حد تک پہنچ جائے کہ ذرہ کی مقدار بھی ایمان باقی نہ رہے موجب خلود فی النار کا ہے۔ جس فرقہ میں بھی پایا جائے گو ظاہری میں کلمہ گو ہی ہو اور دعویٰ بھی دین داری کا رکھتا ہو۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ معصیت کو مباح جاننا بھی کفر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے عذاب کا خوف بھی اٹھ جائے اور معصیت کی قباحت کا اعتقاد ختم ہو جائے اور باب ہی سے انکار کرنا شرط نہیں بلکہ یہ اعتقاد ہو جائے کہ ہمارے ڈرنے کے لئے یہ عذاب کی دھمکی ہے۔ والعیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ، مراجعت کرو فتح العزیز کی حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

وعدنا موسی الکتب، یعنی ہم نے سب سے بڑی نعمت کتاب دی اور بنی اسرائیل سے عہد وپیمان لئے۔ سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر پیغمبر کی اطاعت کرنا اور ان کی توقیر کرنا لازم جانو۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد لگاتار رسول بھیجے، حضرت یوشع، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت یونس، حضرت عزیر، حضرت حزقیل، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ

کو عطا کیا تھا جو کچھ عطا کیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے قصیدے میں فرمایا ہے، وکذا فی الملہمیہ

نبی خص بالتقدیم قدما

وآدم بعد فی طین وماء

علا ودنا وجاز الی مقام

کریم خص فیہ بالاصطفاء

بدا القمر بدر فی نجوم

من الاصحاب اهل الاقتدا

ولم یر ربہ جهرا سواه

بسر فیہ جل عن امتراء

(تحیۃ الاسلام مع عقیدۃ الاسلام ص ۳۹)

وکان عیانا یقظۃ لا یشوبہ

منام ولا قد کان من عالم الرؤیا

اور عروج بیداری کی حالت میں تھا اوٹ نہیں تھی نیند کی ورنہ تھا خواب کے عالم سے۔

اور شیخ اکبر نے بیداری کی حالت میں رؤیا کے حاصل ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور شرح مواہب لدنیہ زرقانی مصری ج ۲ ص ۹۱ میں بھی ابن المنیر سے نقل کیا ہے ص ۲۳۵ ج ۸ شرح المواهب اللدنیة

للزرقانی، العیان بکسر العین المشاهدة.

قد التمس الصدیق ثم فلم یجد

وصحح عن شداد البیهقی کذا

بیشک آپ کے مقام پر تلاش کیا حضرت صدیق نے پس آپ کو نہ پایا، اور اس کو صحیح فرمایا حضرت شداد بن اوس سے امام بیہقی نے اسی طرح۔

اور یہ روایت طبرانی اور بزار میں بھی ہے اور جلد ۳ ص ۱۴ پر امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی اس کو ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ امام بیہقی نے اس کی اسناد کو صحیح فرمایا ہے اور زوائد ہیثمی میں بھی ہے اور انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے، اور دلائل میں بھی ہے جیسا کہ امام زرقانی نے فرمایا ہے کہ انہوں نے بھی اس حدیث کو صحیح فرمایا ہے، اور فتح الباری ج ۷ ص ۱۴ میں بزار اور طبرانی کا حوالہ دیا ہے، اور دیکھو شفا قاضی عیاض۔

رای ربه لما دنا بفؤاده

ومنه سری للعین مازاغ لایطغی

جب آپ قریب گئے تو اپنے رب کو دیکھا اپنے قلب مبارک سے اور قلب سے رویت سرایت کر گئی آنکھ تک جو کہ مازاغ تھی اور مالطغی تھی نہ آنکھ نے تجاوز حد کیا اور نہ جھکی۔ ما کذب الفؤاد ما رأی

رأی نوره الأسنی یراه مواصل

واوحی الیه عند ذلک بما اوحی

اور آپ نے باری تعالیٰ کے نور کو دیکھا اور امید کرنے والا کہاں دیکھ

سکتا ہے اس کو۔ اور باری تعالیٰ نے اس وقت آپ پر وحی کی جو بھی وحی کی۔

بحثنا فآل البحث إثبات رؤية

لحضرته صلی علیه کما یرضی

ہم نے بحث کی اور بحث کا انجام یہ ہو کہ باری تعالیٰ کی رویت ثابت کی جائے۔ آپ کی جناب کے لئے آپ پر اللہ تعالیٰ درود بھیجے جیسے کہ راضی ہو۔

وسلم تسلیما کثیرا مبارکا

کما بالتحیات العلی ربه حیی

اور سلام بھیجے اللہ تعالیٰ بہت بہت سلام جس کے ساتھ برکتیں بھی ہوں۔ جیسا کہ التحیات للہ والصلوات والطیبات فرما کر آپ نے اپنے رب کو سلام کیا۔

یہ مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۱ ج ۲ میں ابن مالک نے سارا قصہ نقل کیا ہے۔

قال ابن ملک روی انه صلی الله علیه وسلم لما عرج به اثنی علی الله تعالی بهذه الکلمات، فقال الله تعالی السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته، فقال علیه السلام السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین، فقال جبریل اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله وبه یظهر وجه الخطاب وانه علی حکایة معراجه علیه السلام فی

آخر الصلاة التی هی معراج المؤمنین، (ص ۱۱۱ عمدة القاری جلد۲ مصری) قال الشیخ حافظ الدین النسفی التحیات العبادات القولیة، والصلوات العبادات الفعلیة، والطیبات العبادات المالیة (عمده القاری ج ۳ ص ۱۱۲)

کما اختاره الحبر ابن عم نبینا

واحمد من بین الأئمة قد قوی

رویت کا ہونا اختیار کیا ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس نے اور اماموں میں سے امام احمد بن حنبل نے اسی کو قوی کہا ہے۔ (نیز نسیم الریاض جلد ۱ ص ۲۹ مطبوعہ لکھنؤ میں بھی ہے)۔

ف امام احمد بن حنبل نے ایک مرفوع حدیث بھی بیان فرمائی ہے مسند احمد اور زرقانی شرح مواہب مدنیہ ص ۱۱۹ جلد ۲۔

ف فی الأوسط باسناد قوی عن ابن عباس قال رای محمد ربه مرتین ومن وجه آخر قال نظر محمد الی ربه، جعل الکلام لموسی والخلة لابراهیم والنظر لمحمد، فإذا تقرر ذلک ظهر ان مراد ابن عباس هنا برویة العین المذکورة جمیع ما ذکر صلی الله علیه وسلم، وهکذا فی زرقانی ج ۲، وابن کثیر ج ۳، زرقانی جلد ۲ ص ۳، وفی البخاری (ص ۵۵۰ ج اول) عن عکرمة عن ابن عباس رضی

الله تعالی عنهما فی قوله تعالی وما جعلنا الرؤیا التی أریناک إلا فتنة للناس قال: هی رؤیا عین.

فقال إذا ما المروزیُّ استبانه

رآه رای المولی فسبحان من اسری

پس آپ نے فرمایا (یعنی امام احمد بن حنبل) نے جیسے کہ امام مروزی نے آپ سے بیان کرایا اور دریافت کیا اس کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ نے اپنے مولا کو دیکھا ہے، پس پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات۔

فتح الباری جلد ۸ ص ۴۳۱ مصری بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۲ میں کئی دفعہ آیا ہے فاذا رایت ربی وقعت له ساجدا فی کتاب السنة عن اسحاق بن منصور بن بهرام الکوسج التمیمی المروزی نزیل نیسابور، أحد الائمة الحفاظ الثقات، روی عن الجماعة سوی ابو داود قال الخطیب کان فقیها عالما، وهو الذی دون المسائل عن احمد مات سنة إحدی وخمسین مائتین، زرقانی، شرح المواهب اللدنیة (جلد ۲ ص ۱۱۹ مصری)

رواه ابو ذر بسان قد رأیته

وانی أراه لیس للنفی بل لنا

اور حضرت ابوذر غفاری نے اس کو روایت کیا ہے کہ آپ نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

اور اسی اراوہ یقظ کے لئے نہیں ہے بلکہ کسر نفس کے لئے ہے امام سبکی نے بھی یہی فرمایا ہے۔

نعم روية الرب الجليل حقيقة

يقال لها الرؤيا بالسنة الدنيا

ہاں رب جلیل کی رویت ایک سچی حقیقت ہے کہ اسی کو رویا کہا جاتا ہے دنیا کی زبانوں میں۔

فتح الباری عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں "رویا عین"، کتاب التعبیر فتح الباری ج ۲ و ج ۷ ص ۳، زرقانی ج ۶، امام ابن کثیر ج ۳، ص ۱۳۱۔

فی عمدة القاری (ج ۷ ا ص ۳۰) قيد به للإشعار بان الرؤيا بمعنى الرؤية فى اليقظة.

والا فمرای جبريل هو اخة

وليس بدیعا شکله کان او وفی

ورنہ پس حضرت جبریل کا دیکھ تو کئی بار تھا یہ کوئی نئی بات نہیں تھی جو کسی شکل میں دیکھا ہو، بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل آپ پر چوبیس ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔

وذالک فی التنزيل من نظم نجمه

إذا ما رعى الراعي ومغزاه قد وفى

اور یہ تحقیق رویت کا مسئلہ قرآن شریف میں سورۃ النجم میں ہے۔ جب کہ رعایت کرنے والا غور کرے اور اصل مقصود کو پورا ادا کرے۔

وكان ببعض ذكر جبريل فاسرى

إلى كنه والطول فی البحث قد عنى

اور بعض طریقوں میں حضرت جبرئیل کا ذکر ہے، یہ کل کی طرف سرایت کر گیا اور بحث کے طول نے تھکا دیا۔

وكان إلى الأقصى سرى ثم بعده

عروجا بجسم ان من حضرة أخرى

مسجد اقصی تک تو اسراء تھی پھر اس کے بعد جسم کے ساتھ عروج تھا ہاں دوسرے دربار تک۔

عروجا إلى أن ظلته ضبابة

ويغشى من الأنوار إياه مايغشى

عروج یہاں تک تھا کہ آپ کو ایک بدلی نے ڈھانپ لیا اور انوارات سے آپ کو ڈھانپ لیا جس طرح کہ ڈھانپ لیا۔

ويسمع للأقلام ثم صريفها

ويشهد عينا ماله الرب قد سوى

اور آپ وہاں صریف اقلام سنتے تھے، صریف اقلام یعنی قلموں کے چلنے کی آواز۔ اور اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے تیار کیا تھا۔

ومن غص فيه من هنات تفلسف
على جرف هار يقارف ان يردى

اور جو آدمی فلسفہ کی خبیث باتوں کو دانتوں سے کاٹے وہ ایسی کھائی پر ہے جو گراہی چاہتی ہے قریب ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے۔

كمن كان من أولاد ماجوج فادعى
نبوته بالغي والبغي والعدوى

جیسے کہ وہ آدمی جو یاجوج ماجوج کی اولاد سے ہے پس اس نے دعویٰ کر دیا اپنی نبوت کا اپنی گمراہی سے بغاوت اور تعدی سے۔

ومن يتبع في الدين اهواء نفسه
على كفره فليعبد اللات والعزى

اور جو آدمی دین میں اپنی خواہشات کا اتباع کرتا ہے وہ اپنے کفر میں لات وعزیٰ کو پوجتا پھرے۔

فائدہ علامہ تفتازانی نے فرمایا کہ معراج کے استحالہ کا دعویٰ کرنا باطل ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی قرآن وحدیث نے تصریح فرمائی ہے بعد اس کی تصدیق ضروری ہے۔ اور علامہ زرقانی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام ممکنات میں اس بات پر قادر ہے کہ ایسی حرکت سریع حضور کے بدن میں پیدا کر دے، امام رازی فرماتے ہیں کہ اہل تحقیق نے فرمایا کہ بیداری کی حالت میں حضور کی روح اور جسم مبارک کو مکہ سے مسجد اقصیٰ تک

لے گیا، یہ تو قرآن وحدیث نے تصریح کیا ہے لیکن قرآن جیسا کہ قول ہے باری تعالیٰ کا ﴿سبحان الذي أسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام إلى المسجد الأقصى﴾ دلیل کی تقریر اس طرح ہے کہ عبد نام ہے جسد اور روح دونوں کا، تو ضروری ہو کہ اسراء بھی دونوں ہی سے ہو یعنی جسد اور روح سے، کیونکہ اگر یہ خواب ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا بروح عبده یعنی اپنے بندہ کی روح کو لے گیا، اور دیکھو ﴿أرأيت الذي ينهى عبدا إذا صلى﴾، میں مجموعہ جسد اور روح مراد ہے، کیونکہ یہاں پر عبد تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور روکنے والا نماز سے آپ کو ابوجہل تھا، وہ آپ کو نماز سے بغیر روح کے ساتھ نہیں روکتا تھا۔ اور سورۂ "جن" میں ہے ﴿وأنه لما قام عبد الله يدعوه﴾ یہاں پر عبد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یدعوہ سے مراد بھی آپ ہی ہیں، یہاں پر روح اور جسد ہی مراد ہے ایسے ہی أسرى بعبده میں روح اور جسد مجموعہ مراد ہے۔ رہی حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول أسرى بي ہے، کیونکہ نصوص میں اصل یہ ہے کہ وہ ظاہر پر محمول کیے جائیں، جب تک اس کے خلاف کوئی دلیل نہ ہو عقلی شرعی۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ معراج کے سارے قصہ میں روح اور جسد دونوں ہی مراد ہیں اور ظاہر سے عدول نہ کیا جائے گا اور حقیقی معنوں سے اور طرف نہیں پھیرا جائے گا اور اسریٰ کے جسم اور روح کے ساتھ بیداری کے عالم میں ہونے میں کوئی استحالہ نہیں۔ اور یہ جو باری تعالیٰ نے فرمایا ہے ما زاغ البصر وما طغى یعنی عجائبات ملکوت سے نظر نہیں پھری اور نہ اس

سے تجاوز کیا۔ کیوں کہ البصر بیداری کی حالت میں ہی دیکھنے کو کہتے ہیں اس کی شہادت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد رای من ایات ربہ الکبری
اگر یہ نیند میں ہوتا تو اس میں کون سی آیات تھیں جو خارق العادت ہوں؟ اور ان کے تکذیب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہ بھی متواتر حدیثیں ہیں کہ آپ کے لئے براق پیش کیا گیا، معلوم ہوا کہ آپ کی معراج روح اور جسد کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور ابن کثیر نے اپنی کتاب کی تیسری جلد کے شروع میں اس کو خواب لکھا ہے پھر اخیر میں فرماتے ہیں کہ حافظ عمرو بن دحیہ نے اپنی کتاب "التنویر فی مولد السراج المنیر" میں لکھا ہے کہ حدیث معراج حضرت انس سے بھی مروی ہے اور حضرت عمر بن خطاب سے، ابن مسعود، ابوذر، مالک بن صعصعہ، ابوہریرہ، ابوسعید الخدری، ابی حبہ، ابی لیلیٰ، عبداللہ بن عمرو، جابر، حذیفہ، ابوایوب، ابوامامہ، سمرۃ بن جندب، ابی الحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، عائشہ صدیقہ، اسماء (دونوں حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادیاں ہیں) وغیرہم سے بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور اس مسئلے پر اتفاق کیا ہے تمام مسلمانوں نے اور اعراض کیا ہے زندیقوں اور ملحدوں نے۔

امریکہ سے ایک رسالہ ماہواری لائف نکلتا ہے نیویارک سے، اس میں جولائی ۱۹۶۳ء کے لائف میں اس مضمون کو خوب لکھا ہے اور آئے دن اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے، روس امریکہ میں یورپ کے مختلف ممالک میں تجربے ہو رہے ہیں۔ سائنس اس بات کو تسلیم کر چکی ہے ایسا سریع السیر سفر ممکن الوقوع ہے، چنانچہ لائف ۶۳ء میں درج ہے کہ "گارڈن کوپر" نے

صرف ۹۰ منٹ میں ساری دنیا کے گرد بائیس چکر کاٹے اور ساڑھے سترہ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہ ہوائی جہاز چلا تھا، یہ مضمون ۶۲ء کے چٹان میں شائع ہوا تھا۔ اور بھی بہت سے اخبارات میں مضامین آئے دن آتے رہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فضائی سفر کس قدر سریع السیر تھا۔ ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اور یہ بھی فرماتے ہیں

رہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرش بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

حضرت مولانا نظامی فرماتے ہیں،

تن او کہ صافی تر از جان ماست
اگر شد بیک لحظہ آمد روا است

۱۱ نومبر ۱۹۶۶ء کے ترجمان اسلام لاہور میں ہے روس نے بھی ایک خلائی تجربہ گاہ فضاء میں چھوڑی ہے جو کہ خلا میں ۲۴ سے ۲۳۸ میل تک کی بلندی پر زمین کے گرد چکر کاٹ رہی ہے یہ تجربہ گاہ گذشتہ اکتوبر میں چھوڑی گئی تھی۔

اور حضرت مولانا محمد انور کشمیری نے اپنے قصیدے ضرب الخاتم علی حدوث العالم میں لکھا ہے کہ

وقد قیل إن المعجزات تقدم

بما یرتقی فیه الخلیقه فی المدی

چنانچہ آج دنیا کے تجربے ہم مشاہدہ کر رہے ہیں حضرت شاہ صاحب کے اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے معجزات اس بات کی دلیل ہیں کہ آئندہ کو مخلوقات ان کا تجربہ کرے گی، چنانچہ ریڈیو کی ایجاد اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو حج کے متعلق آواز دی تھی وہ بالکل حق ہے گو اس کے متعلق سائنس ابھی ابتداء ہی میں ہے یعنی حضرت ابراہیم نے تو کعبہ شریف کے بنانے کے بعد ایسی آواز دی تھی جو تا قیامت جن کی قسمت میں حج لکھا تھا ان سب نے لبیک کہی، یعنی حضرت ابراہیم کا آواز دینا بغیر کسی آلہ کے تھا، اور سائنس اب آلات کی ایجاد سے اس طرف ترقی کر رہی ہے تاکہ یہ منوایا جائے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے وہ سب کچھ ممکن الوقوع ہے یا مثلاً ہوائی جہاز کی ایجاد حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے اڑنے کی تصدیق فعلی ہے مگر وہ بغیر آلات کے تھا، اور یہ آلات سے ہے۔ اور جیسے حضرت عمر نے منبر پر کھڑے ہوئے پندرہ سو میل پر آواز بغیر کسی آلہ کے پہنچادی تھی، فرمایا تھا یا ساریة الجبل الجبل اسی طرح حضرت عیسیٰ کا عروج اور نزول ہے۔ الحاصل کہ حشر اجساد اور موت کے بعد سارے عالم کا ملنا وغیرہ سب برحق ہیں خواہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہوں۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ کا آسمانوں پر جانا اور قرب قیامت میں آپ کا نزول ہونا سب برحق ہیں اور اس پر ایمان لانا فرض ہے، اور یہی صراط مستقیم ہے، واللہ یهدی من

یشاء إلی صراط مستقیم

یا اللہ ہمیں اپنے فضل سے حضور کا اتباع نصیب فرما اور ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرما، ہمیں بزرگان دین کا اتباع نصیب ہو آمین یارب العالمین۔

☆☆☆

علامہ ابن منیر نے فرمایا ہے کہ تجلی ایک رتبہ ہے بڑا عالیشان وہ ایک حالت ہوتی ہے۔ (بین النوم والیقظہ)

ف جب انسان کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہے اور اس کی ہڈی ہڈی میں یہ سما جاتا ہے اور اس کو باری تعالیٰ اپنے فضل سے روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں اور اس کو سلطان الاذکار نصیب ہو جاتا ہے اس پر اس حالت کا کھلنا آسان ہو جاتا ہے حضرت شیخ عطار فرماتے ہیں۔

خنجر خاموشی و شمشیر جوع

نیزہ تنہائی و ترک ہجوع

اور اس مسئلہ کو اہل تحقیق کے سوا کوئی کم سمجھتا ہے علامہ زرقانی چونکہ اہل حقائق میں سے ہیں اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو خوب لکھا ہے، اور اپنی کتاب میں جابجا تحقیق کی ہے، زرقانی (شرح مواہب لدنیہ جلد ۶، ۸)۔

در ہمہ سیر و فرجے کشف شد حقیقتے

گرچہ شدم برنگ بو خانہ بخانہ کو بکو

تشریح تمام سفر میں کوئی حقیقت منکشف نہ ہوئی اگرچہ میں خوشبو کی طرح ہر جگہ پھرا، یعنی اس عالم مشاہدہ میں اس عالم کی حقیقت بالکل منکشف نہیں ہوتی جب تک آدمی عالم برزخ میں نہ چلا جائے، تو بھید اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

گر بودم فراغتے از پس مرگ ساعتے

شرح دہم ہمہ بتو قصہ بقصہ مو بمو

اگر مجھ کو مرنے کے بعد ایک گھڑی بھی فرصت مل گئی تو تیرے سامنے سب کچھ بیان کر دوں گا۔

داند خلاف تخم نے ہرچہ بود ز جبر و قدر

آنچہ کہ کشتہ ای درو حنطہ حنطہ جو ز جو

خواہ کوئی اپنے آپ کو مجبور کہے یا قادر مطلق کہے بہر حال غلہ وہی ہوتا ہے جیسے بیج ڈالتے ہیں جو کچھ تو نے بویا ہے اسی کو کاٹ لے اگر گیہوں بوئے ہیں تو گیہوں کاٹ لو اگر جو بوئے ہیں جو کاٹ لو۔

ظاہر و باطن اندر ایں ہمچو نواۃ و نخل داں

نے بعد او یک زود جسب بجسب دو بدو

یہ دنیا و آخرت اس طرح ہیں جیسے کھجور کا درخت اور گٹھلی ہوتی ہے یہ دونوں جہاں اس طرح نہیں ہیں کہ ہم ایک دوسرے کو کہیں جیسا کہ گٹھلی پھوٹ کر اندر سے کھجور کا درخت نکل آتا ہے، تو گٹھلی تو دنیا کی مثال ہے، اور

کھجور کا درخت عالم آخرت کی مثال ہے خوب سمجھ لینا چاہئے۔

رشتہ این جہاں تن جامہ آن جہاں تن

رشتہ برشتہ نخ بنخ تار بتار پو بپو

جیسے گٹھلی چھپ جاتی ہے اور کھجور کا درخت ظاہر ہو جاتا ہے بعینہ اسی طرح یہ بدن تو بظاہر چھپ جاتا ہے اور روح ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے تانا بانا اسی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ روح چونکہ اس جہاں کی چیز ہے اس کے آثار قبر ہی سے ظاہر جاتے ہیں اور بدن چونکہ اس جہاں کی چیز ہے یہ بظاہر ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے۔

ہست جزا ہو عمل سم کہ خورد شود مرض

بیخ و شجر ہمو ہمو تخم و ثمر چنو چنو

جزا جس عمل سے ہوتی ہے قرآن شریف میں آتا ہے ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره﴾ ﴿ووجدوا ما عملوا حاضرا ولا يظلم ربك احدا﴾ سورہ کہف۔

جو کوئی ذرہ کے برابر نیکی کرے گا اس نیکی کو دیکھ لے گا جو کوئی ذرہ کے برابر برائی کرے گا وہ اس برائی کو دیکھ لے گا۔ سارے قرآن کو دیکھ لو یہی آتا ہے کہ جو کچھ کیا ہے وہی ملے گا۔ وان ليس للانسان الا ما سعى جو آدمی زہر کھاتا ہے وہی زہر مرض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جو جڑ ہے وہی شجر ہے جو پھل ہے وہی بیج ہے مشہور ہے کہ بیج جب کسی کے ہاتھ چڑھتا ہے اس کا

تمام مکمل ہوتا ہے۔

قبر کہ بود در سوئے جہان دگر

غیب شود شہود از دیدہ پدید رو برو

قبر میں جا کر اپنے سب اعمال منکشف ہو جائیں گے جب روح ظاہر ہو جائے گی کیونکہ روح لطیف ہے اس واسطے اس لطیف کو لطیف چیزیں سب نظر آ جائیں گی یعنی عالم قبر دوسرے جہاں کے لئے ایک روشندان کا کام دے گی جیسے کہ حدیث میں آتا ہے کہ نیک آدمی کے لئے جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں اور بدبوئیں آتی ہیں اور برے آدمی کے لئے جہنم کی گرمی محسوس ہوتی ہے، اور قبر کو فرمایا گیا ہے کہ یا تو ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے جہنم کے گڑھوں میں سے، یعنی عالم غیب قبر میں منکشف ہو جائے گا گویا قبر ایک دروازہ ہے عالم غیب کے لئے۔

منکشف آں جہاں شود گرچہ دریں جہاں بود

زندگی دگر چو ذرہ ذرہ بذرہ مو بمو

وہ جہاں بالکل واضح ہو جائے گا اگرچہ بظاہر قبر تو اسی جہاں میں ہوتی ہے اس جہاں کی زندگی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔

مردن این طرف بود زیستن دگر طرف

روزن باز دید تو طبقہ بطبقہ تو بتو

اس طرف کا مرنا اس طرف کا جینا ہے عالم آخرت کے تمام طبقات اس پر کھل جاتے ہیں اور اس روشندان سے نظر آ جاتے ہیں جیسے کہ احادیث

میں صاف مذکور ہے مشہور ہے کہ یہ راستہ آنکھ بند کرنے سے طے ہوتا ہے جو برزخی آدمی ہوتے ہیں ان پر عالم برزخ منکشف ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرمایا کرتے تھے، وان جهنم لمحيطة بالكافرين بے شک جہنم احاطہ کئے ہوئے ہے کفار کا کہ کافر کو جہنم حقیقتاً گھیرے ہوئے ہے قیامت کے روز یہ زمین کا گولہ توڑ دیا جائے گا پیچھے سے جہنم نمودار ہو جائے گی، اسی واسطے مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ تو اوپر کو پرواز کر اور ہلکا پھلکا ہو جا، حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور چڑھتا جا، ورتل وارتق

تا نشکست صورتے جلوہ نزد حقیقتے

جب تک کہ ظاہری صورت نہیں ٹوٹتی اس وقت تک حقیقت جلوہ نما نہیں ہوتی مولانا رومی فرماتے ہیں:

ہر بنائے کہنہ کہ آباداں کنند

اول آن بنیاد را ویراں کنند

جو پرانی عمارت کہ اس کو نئے سرے سے بناتے ہیں پہلے اس عمارت کو برباد کر دیتے ہیں اسی طرح اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا، پھر اس میں سے آخرت نمودار کر دی جائے گی، جیسے کہ گٹھلی کو زمین میں دبا کر توڑ پھوڑ دیا جاتا ہے اس میں سے کھجور کا درخت نمودار کر دیا جاتا ہے، حقیقی جہاں یعنی آخرت تب نمودار ہوگی جب یہ جہان فانی توڑ پھوڑ دیا جائے گا، بعد قیامت کا آنا برحق ہے، وہ چونکہ رب العالمین ہیں اور انسان کی تربیت اسی

طرح کرتے ہیں عالم برزخ میں رکھ کر پھر عالم آخرت میں اس کو نمودار کریں گے۔ اسی واسطے انبیاء کو مبعوث فرمایا کہ لوگوں کو اس کا یقین دلائیں کہ قیامت ضرور قائم ہوگی۔ یہ تقریر حضرت شاہ صاحب نے بہاولپور میں ۱۹۳۲ء میں فرمائی تھی، پھر میں نے یہ تقریر حضرت عبد الحق مولانا رائے پوری کی خدمت میں سنائی تو حضرت بہت خوش ہوئے اور تصدیق فرمائی، یہ ۱۹۳۲ء کا واقعہ ہے جب کہ میں حضرت کی خدمت میں ڈھڈی ضلع سرگودھا میں موجود تھا۔ اب تو نہ حضرت شاہ صاحب رہے جن سے استفادہ کیا جاتا اب کوئی نہیں رہا جو ایسی مشکل باتوں کو حل کرے، یہ بلند و بالا یک مسئلہ حضرت شاہ صاحب نے باتوں ہی باتوں میں ایسا حل کر کے رکھ دیا گویا عالم برزخ ہمارے سامنے ہے۔ مرنے سے پہلے حضرت کے زیر مطالعہ کتب مثنوی شریف ہوتی تھی، جس میں عالم ارواح اور عالم برزخ کی باتیں کیا کرتے تھے اور یہ تو اکثر فرماتے تھے کہ اب ہمارا آخری مرحلہ ہے کیونکہ یہ معلوم تھا کہ آپ وصال کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

بہاولپور سے چلتے وقت مولانا غلام محمد شیخ الجامع گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا اور مولانا محمد صادق صاحب سے جو کہ دوم مدرس تھے جامع عباسیہ کے، جب مقدمے کا فیصلہ ہمارے حق میں ہو جائے تو میری قبر پر آکر آواز دے دینا، ہم نے یہ بات سنی تو معمولی بات تھی، جب وصال ہو گیا تو پتہ چلا کہ یہ بھی اپنے وصال کی طرف اشارہ تھا۔

حضرت کے وصال کے کئی ماہ بعد مقدمہ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق

میں ہوا تو مولانا محمد صادق صاحب نے حضرت کی وصیت کو پورا کرنے کے لئے دیوبند کا سفر کیا اور آپ کی قبر مبارک پر روتے ہوئے آواز دی۔ مولانا محمد صادق صاحب کو حضرت شاہ سے بڑی عقیدت تھی اور حضرت مولانا غلام محمد صاحب دین پوری سے بیعت تھے، حضرت شاہ صاحب کے دربار میں بالکل خاموش رہتے تھے ویسے بڑے فاضل تھے علوم متبحر تھے۔

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کا بہاولپور تشریف لے جانا مولانا محمد صادق کی زبانی سنئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

شیخ الاسلام والمسلمین اسوۃ السلف وقدوۃ الخلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی بلند ہستی کسی تعارف اور توصیف کی محتاج نہیں، آپ کو مرزائی فتنے کے رد اور استیصال کی طرف خاص توجہ تھی، حضرت شیخ الجامعہ صاحب کا خط شاہ صاحب کی خدمت میں دیوبند پہنچا تو حضرت ڈابھیل تشریف لے جانے کا ارادہ فرما چکے تھے، اور سامان سفر باندھا جا چکا تھا مگر مقدمہ کی اہمیت کو ملحوظ فرما کر ڈابھیل کی تیاری کو ملتوی فرمایا اور ۱۹ راگست ۱۹۳۲ء کو بہاولپور کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرمایا، حضرت کی رفاقت میں جیسا کہ بعض علماء مولانا عبد

لکھاں خطیب آسٹریلیا مسجد لاہور و ناظم جمعیت علماء پنجاب مولانا محمد صاحب مائل چودری فاضل دیوبند مولانا محمد زکریا صاحب لدھیانوی وغیرہم بھی تشریف لائے، ریاست بہاول پور اور ملحقہ علاقہ کے علاوہ زائرین اس قدر جمع ہوئے کہ حضرت کی قیام گاہ پر بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہ ملتی تھی اور از بس مصافحہ سے مشرف ہوتے تھے، ۲۵ اگست ۱۹۳۲ء کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا بیان شروع ہوا عدالت کا کمرہ امراء و رؤساء ریاست و علماء سے پر تھا، عدالت کے بیرونی میدان میں دور تک زائرین کا ازدحام تھا، باوجودیکہ شاہ صاحب عرصہ سے بیمار تھے اور جسم مبارک بہت ناتواں ہو چکا تھا مگر متواتر پانچ روز تک تقریباً پانچ پانچ گھنٹے یومیہ عدالت میں تشریف لا کر علم و عرفان کا دریا بہاتے رہے، مرزائیت کا کفر و ارتداد، دجل و فریب کے تمام پہلو آفتاب نصف النہار کی طرح روشن فرمائے، حضرت شاہ صاحب کے بیان سابقہ بہاول پور میں مسئلہ ختم نبوت اور مرزائی کے دعویٰ نبوت و وحی مدعی نبوت کے کفر و ارتداد کے متعلق جس قدر مواد جمع ہے اور ان مسائل و حقائق کی توضیح و تفصیل کے لئے جو ضخیم کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ حضرت شاہ صاحب کے بیان پر تبصرہ کرنا خاکسار کی فکر کی رسائی سے باہر ہے، ناظرین بہرہ اندوز ہو کر حضرت شاہ صاحب کے حق میں دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو علیین میں مدارج بلند فرماویں۔ آمین

☆ علماء اہل حدیث میں سے جو چوٹی کے علماء ہیں وہ بھی حضرت شاہ صاحب کے فضل و کمال کے مداح تھے، مولانا ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے جب قادیان میں آپ کا بیان سنا تو فرمایا کہ اگر مجسم علم کسی کو دیکھنا ہو تو مولانا انور شاہ کو دیکھ لے۔

دوم مولانا عبد التواب ملتانی تلمیذ رشید حضرت مولانا عبد الجبار غزنوی نے علماء اہل حدیث کے مجمع میں حضرت شاہ صاحب کے علمی کمالات اور بزرگی کا برملا اعتراف کیا، مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ نے اس مجمع میں کہا تھا کہ مولانا انور شاہ صاحب تو حافظ حدیث ہیں، مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم متعدد بار ملاقات فرما کر حضرت سے علمی استفادات فرماتے رہے، حضرت شاہ صاحب امرتسر تشریف لاتے تھے علماء اہل حدیث احناف کی نسبت زیادہ سے زیادہ تعداد میں حضرت کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے اور اس کا اہتمام خصوصی رکھتے تھے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم نے اپنے اخبار اہلحدیث میں حضرت شاہ صاحب مرحوم کے وصال پر ایک طویل مقالہ سپرد قلم کیا ہے اور اس میں اپنے درد دل کا اظہار کیا ہے اور حضرت کے مناقب و علمی فضائل بیان کئے ہیں، اور محبت بھرے الفاظ میں متعدد ملاقاتوں کا ذکر کیا، اور یہ کہا کہ بے نظیر عالم دین رخصت ہو گیا۔

اور مصری علماء میں سے علامہ حضرت مولانا محمد زاہد کوثری نے "تانیب الخطیب" اور متعدد رسائل و مقالات کوثری میں جگہ جگہ حضرت

شاہ صاحب کے علمی تبحر کا برملا اعتراف کیا ہے، کوثری کی یہ سب تصانیف
بندہ کے پاس موجود ہیں مقالات کوثری مدینہ منورہ سے بڑی کوشش کے بعد
دستیاب ہوئی، اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کوثری
حضرت شاہ صاحب سے بہت متاثر ہیں، ''عقیدۃ الاسلام'' مع ''تحیۃ
الاسلام'' کے جدید ایڈیشن سے مولانا مولوی محمد یوسف صاحب بنوری کا
مقدمہ پڑھنا چاہیے ''نیل الفرقدین'' کی ''تانیب خطیب'' میں بڑی ہی
تعریف کی ہے۔

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد طاسین صاحب آپ کا ہدیہ متبرک خطبات اکفار
الملحدین دو عدد نسخے پہنچے، الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ
مبارکا علیہ، ہدیہ کیا تھا ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس پر آپ بہت شکریہ
اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب نے اکفار
الملحدین کا اردو ترجمہ کرکے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان عظیم فرمایا ہے،
حضرت مولانا ومخدومنا شیخ المحدثین محمد انور شاہ کشمیری کی شاید روح کتنی خوش
ہوئی ہوگی اور مولانا محمد ادریس کے کتنے مدارج عالیہ بلند ہوئے ہوں گے،
ان کے لئے یہ ترجمہ سرمایہ آخرت ہے اور تمام دنیا کے مسلمانوں پر بڑا ہی
احسان عظیم ہے، اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ خوش رکھیں۔ مجلس علمی کیا ہے یک

خوان نعمت ہے جس کو آپ نے مسلمانوں کے دینی اور دنیوی نفع کے لئے
بچھا رکھا ہے اور ہر وقت علم کے اعلیٰ تحفے دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے
تقسیم کرتے رہتے ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا جی محمد صاحب سملکی ثم فرنگی بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ
خدا نے ان کو اس طرف متوجہ کیا، حضرت شاہ صاحب کی یہ خواہش ہوتی تھی
کہ ان کے جوہر کو کوئی اپنے لفظوں میں دنیا تک پہنچا دے ''اکفار الملحدین'' تو
دنیا بھر میں ایک ہی کتاب ہے جس میں اصول تکفیر مدون فرمائے گئے ہیں، گویا یہ
کتاب حضرت کی ایک الہامی کتاب ہے، ''عقیدۃ الاسلام'' کو بھی آپ نے
دوبارہ شائع کیا، اور ''تحیۃ الاسلام'' کو ساتھ ہی ملا دیا اس سے علماء کو بہت
فائدہ ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ خواہش تھی کہ ضرب الخاتم میں جو حوالے
رہ گئے ہیں اس کی عبارتیں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے جمع کی تھیں
وہ بھی اگر چھپ جائیں تو یہ بڑی خدمت ہوگی، ضرب الخاتم بڑی ضروری
کتاب ہے جس کو علماء بھی کم سمجھتے ہیں، حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ
جتنا ڈاکٹر محمد اقبال ضرب الخاتم کو سمجھے ہیں اتنا کوئی مولوی بھی نہیں سمجھا۔ اگر
اس کے ساتھ حوالہ جات کی عبارتیں بھی شامل کردی جائیں تو یہ بہت بڑی
خدمت ہوگی۔ خطبات کے شروع میں جو تعارف ہے متعلق آپ نے مضمون دیا
ہے وہ بڑا ہی قیمتی ہے، آپ اگر سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی کے حوالے کی

بجائے اگر امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات شریف سے اقتباسات لیتے تو بہت اچھا ہوتا، کیونکہ حقیقت صلوٰۃ تک رسائی حاصل کرنے والے یہی محقق علماء ربانی ہیں جو حقیقت صلوٰۃ تک پہنچتے ہیں اور ان پر حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

میں جب ۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ کو گیا یہ جنوری ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے (حضرت شاہ صاحب کا وصال مئی ۱۹۳۳ء میں ہو گیا یعنی ۳ صفر ۱۳۵۲ھ)۔ یہ واقعہ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کا ہے اس وقت مولانا عبید اللہ صاحب مرحوم سندھی مکہ مکرمہ میں تھے، جس دن میں بعد نماز مغرب ان کی زیارت کے لئے گیا وہ مسعی الگ کے پاس بیٹھے تھے میرے ساتھ میاں جان صاحب معلوف تھے، جب ملاقات ہوئی تو مولانا عبید اللہ نے دریافت فرمایا کہ تو نے کس سے پڑھا اور تو کس سے بیعت ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حدیث تو حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے پڑھی اور بیعت حضرت مولانا محمود الحسن یعنی شیخ الہند سے کی۔ اس پر حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بہت خوش ہوئے پھر فرمایا کہ جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حرمین شریفین میں تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ کا حج کرایا میں نے جب کعبۃ اللہ کی دیواروں کو ہاتھ لگایا تو یوں محسوس ہوا کہ یہ دیواریں پتھر کی تو نہیں بلکہ نور کی دیواریں ہیں گویا تجلیات کعبہ ان پر منکشف کر دی گئیں، ان کے نورانی ہاتھ نور کی دیواروں کو محسوس کرنے لگے، پھر فرمایا جب میں روضہ مطہرہ پر مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور روضہ اقدس کی دیواروں کو ہاتھ لگایا تو

معلوم ہوا کہ دیواریں بھی نور کی بنی ہوئی ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبد الغنی محدث دہلوی نے "انجاح الحاجہ" میں لکھا ہے کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ یہ تو مشاہدہ ہے، اور فان لم تکن تراہ فانہ یراک یہ حضور ہے اگر کوئی نماز طریقہ پر پڑھے اور ذکر اذکار بھی کرتا جو حتیٰ کہ اس کو باری تعالیٰ روح کا ذکر نصیب کرتے ہیں تا آنکہ اس کا بال بال ذاکر ہو جائے تو اس کو حضوری نصیب ہو جاتی ہے، اگر روح کے ذکر کے بعد ذکر سر بھی نصیب ہو تو اگر حق تعالیٰ کو منظور ہو اور اس میں استعداد بھی ہو تو مشاہدہ بھی نصیب ہو سکتا ہے، مگر اس میں محنت درکار ہے، ارحنی یا بلال والصلوٰۃ معراج المومنین والمصلی یناجی ربہ وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ وغیرہا احادیث کا مطلب اس پر کھل جاتا ہے، گویا علم تقلیدی سے نکل کر علم تحقیقی نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری ایک دفعہ گنگوہ تشریف لے گئے تو فرمایا کہ حضرت میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے نماز پڑھنی آ جائے سبحان اللہ حضرت کو ساری عمر یہ فکر رہا کہ نماز صحیح طریقے پر پڑھنا آ جائے حضرت گنگوہی سے دعا کروائی۔ یہ بات حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری نے کئی دفعہ فرمائی تھی۔

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جب کانپور پڑھاتا تھا تو میرا معمول تھا کہ شعبان میں جب میں تھانہ بھون آتا تو گنج مراد آباد حضرت مولانا فضل رحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کرکے آتا، ایک دفعہ

اللہ عنہ کے متعلق نماز پڑھنا ثابت ہے، کم از کم میں نے تو اپنی ساری عمر میں حضرت شاہ صاحب جیسا نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ حضرت کے چہرہ پاک سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی خشیت بہت ہے۔ الذین آمنوا و کانوا یتقون ویہ اللہ کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا۔

فقط والسلام

بچوں کو دعوات ماور پیار (1)

☆☆☆

بعض اوقات سبق کے ضمن میں طلباء کا دل بہلانے کے لئے کوئی بات ظرافت کی کہہ دیتے تھے، ایک دفعہ بخاری شریف کے درس میں قصہ سنایا کہ دیوبند میں ایک شاعر صاحب تھے وہ فرماتے تھے کہ ہم بھی تصوف پر شعر کہتے ہیں مثلاً

الٹپنی والنمبرینا والا مسترا

جام تیرے شوق میں کفگیر لایا ساتھ

کسی نے کہا کہ شعر تو آپ نے خوب سنایا مگر اس میں تصوف کی کون سی بات ہے؟ دوسرے آدمی نے کہا کہ اجی اس میں الف لام تو تصوف کا ہے، اس پر حضرت شاہ صاحب بہت مسکراتے تھے، پھر فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ پہلے مصرع میں قصد بھی ہونا چاہیے یعنی

---

(1) یہ خط حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کے نام ہے جو ص ۲۳۶ سے شروع ہوا ہے۔ مصحح

الٹپنی والنمبرینا والا مسترا قصد

تاکہ وزن درست رہے، پھر وہ شاعر صاحب فرمانے لگے کہ میں کیا شاعر ہوں مجھ سے تو بیچارہ ذوق ہی اچھا تھا اس پر بہت مسکراتے تھے۔

☆ آپ کی نظمیں بہت ہیں بہت سے قصائد عربی و فارسی ہیں، ... نظمیں ایسی ہیں جن کا ایک مصرع فارسی اور ایک عربی ہے، مجموعہ اشتیاقیہ ... بہت ہیں جو اکثر مدینہ شریف کے راستہ میں کہی ہیں، کئی نظموں کا ... مجموعہ کا نسخہ ہمارے پاس بھی ہے جو اگر موقع ملا تو شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ آگے جو اللہ کو منظور ہوگا۔

☆ فرماتے تھے کہ میں نے شعروں پر کبھی وقت ضائع نہیں کیا جب کھانے پر بیٹھتا تھا تو پنسل اور کاغذ اپنے پاس رکھتا تھا، ایک لقمہ کھایا اور ایک شعر کہہ لیا لکھ لیا پس ادھر کھانا ختم ہوا ادھر اشعار ختم ہوئے، مقامات حریری کی طرز پر آپ کی ایک کتاب تھی جس میں کئی ایک مقالے بے نقط تھے۔

☆ ایک دفعہ احقر حضرت کی زیارت کے لئے حضرت کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ اتنے میں حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب تشریف لائے اور دروازے پر کھڑے ہو کر ایک مسئلہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت فرماتے تھے حضرت نے فرمایا کہ میں خود ہی حاضر ہو جاتا، حضرت آپ نے کیوں

تکلیف فرمائی، فرمایا کہ نہیں مجھے ہی آنا چاہیے تھا، اس طرح حضرت مفتی صاحب کئی بار تشریف لا کر مسائل کی تحقیق کیا کرتے تھے۔ یہ حضرت مفتی صاحب ہمارے بھی ابن ماجہ شریف اور طحاوی شریف اور موطا امام محمد وغیرہ میں استاذ ہیں، ان کو اجازت حضرت مولانا فضل رحمن صاحب گنج مرادآبادی سے ہے، اور ان کو اجازت حضرت شاہ عبدالعزیز سے ہے حضرت مفتی صاحب نے ہم کو اپنی اس سند کی بھی اجازت دی تھی۔

☆ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک بار حضرت شاہ اہل اللہ صاحب جو کہ برادر تھے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے اپنے حجرے میں بیٹھے تھے کہ ایک سپاہی آیا کہ آپ کو بادشاہ سلامت نے بلایا ہے، حضرت شاہ صاحب فوراً اٹھے اور اس سپاہی کے ساتھ چل دیے، وہ سپاہی بجائے لال قلعہ جانے کے دہلی سے باہر پہاڑ گنج کی طرف گیا وہاں جا کر ایک غار کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگا کہ اس غار میں داخل ہو، جب شاہ صاحب اس غار میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جنات کا ایک بہت بڑا مجمع ہے اور جنات کا بادشاہ بیٹھا ہے اور اس کے دائیں جانب ایک بہت بوڑھا جن بیٹھا ہے، اور بادشاہ کے سامنے ایک مردہ لٹایا ہوا ہے، اور ایک مرد اور ایک عورت وہاں کھڑے ہیں انہوں نے شاہ صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا اس آدمی نے ہمارے اس بیٹے کو قتل کر دیا ہے، ہمیں قصاص دلوانا چاہیے، حضرت شاہ اہل اللہ صاحب نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے قصاص نہیں

لے سکتے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے اپنی پوشش بدل دی اگر اس کو کوئی آدمی غلطی سے مار ڈالے تو اس مارنے والے سے قصاص نہیں لے سکتے۔

بادشاہ نے اس جن سے جو اس کے دائیں جانب بیٹھا تھا پوچھا کہ کیا یہ حدیث ہے تو اس نے کہا کہ ہاں یہ حدیث ہی ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی تھی تو میں اس وقت دربار میں حاضر تھا میں نے اپنے کانوں سے اس حدیث کو سنا ہے۔

حضرت شاہ اہل اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے پھر مجھے یہ حدیث سن کر رہا کر دیا، اور مجھ سے قصاص نہیں لیا۔ مجھ کو اپنے رہا ہونے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی خوشی کہ مجھے اس صحابی جن کے دیکھنے سے ہوئی، پھر شاہ اہل اللہ صاحب نے اس صحابی سے وہی حدیث سنی اور تابعی ہو کر واپس آئے، یہ ہمیں حدیث ترمذی شریف کے درس میں حضرت شاہ صاحب نے سنائی تھی، اس جن کا نام شاہورش تھا، یہ واقعہ ۳۳۸ھ کا ہے۔

☆☆☆

ظفر (یعنی بہادر شاہ دہلی کے بادشاہ) کے اس شعر کو بہت پسند کرتے تھے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا، گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

☆ جب مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے جمع الفوائد کے شائع کرنے کا ارادہ فرمایا تو میرٹھ میں بہت سے حضرات کا اجتماع کیا، حضرت تھانوی بھی تھانہ بھون سے تشریف لے گئے حضرت سہارنپوری بھی سب کے سب حاضر تھے، دیوبند سے بھی حضرت شاہ صاحب اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب تھے، سب نے تجویز کیا کہ حضرت شاہ صاحب ابتدا کریں، تو حضرت شاہ صاحب نے یہ بیت مبارکہ لکھ کر دی کہ اسے ٹائپ کر کے دکھاؤ [illegible] ٹائپ بہت اچھا آیا سب حضرات بہت خوش ہوئے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب نے دمشق جا کر حضرت مولانا بدرالدین محدث کے فرمانے پر دمشق سے تین میل ایک گاؤں میں جا کر یہ کتاب یعنی جمع الفوائد حاصل کی، اور بڑی کوشش سے ہندوستان لائے پھر بڑے ہی اہتمام سے اس کتاب کو شائع کیا، اس کتاب میں حدیث کی چودہ کتابوں کی حدیثیں جمع ہیں۔ حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ میں نے اپنا سارا کتب خانہ مدرسہ کی ملک کر دیا تھا مگر یہ کتاب اپنے پاس رکھی تھی۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صحیح معنوں میں عاشق الٰہی تھے۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب کوئی کام دینی یا دنیوی شروع کیا جائے تو اس کے لئے اول یہ

☆ آپ کے درس میں بعض دفعہ ظرافت کی باتیں بھی ہوجاتی تھیں، چنانچہ ایک مولوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے ایک رفیق (۱۳۳۲ ہجری میں) جب حضرت شاہ صاحب سے سوال کرتے تھے تو پہلے کہتے تھے کہ بندہ نواز میرا ایک سوال ہے تو آپ فرماتے تھے کہ فرمایئے غریب پرور۔

☆ ایک دفعہ دیوبند کی جامع مسجد میں قادیانیوں کے خلاف تقریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۰۸ء میں کشمیر میں ہم نے ایک خواب دیکھا کہ ہمارا اور مرزا غلام احمد قادیانی کا مناظرہ ہوا ہے اور ہم اس میں غالب رہے، یہ خواب کسی نے اخبارات میں شائع کر دیا، مرزا غلام احمد مناظرے کے لئے تیار ہو گیا ہم بھی کشمیر سے چل پڑے۔ لاہور آ کر سنا کہ مرزا صاحب تو قادیاں سے لاہور آ کر کل ہی یہاں سے چل دیئے، خیر ہم تو غالب ہی رہے۔

مولانا عراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نخستیں مے کہ اندر جام کردند
ز چشم مست ساقی وام کردند

حضرت شاہ صاحبؒ نے تو اس شعر پر یہ اضافہ کیا

ز دریائے عما موج ارادہ
حباب انگیخت حادث نام کردند

☆ عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه قال إن بلالا رأى في منامه رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يقول له ما هذه الجفوة يا بلال؟ أما آن لك أن تزورني يا بلال؟ فانتبه حزينا وجلا خائفا، فركب راحلته وقصد المدينة، فأتى قبر النبي صلى الله عليه وسلم فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه، فأقبل الحسن والحسين رضي الله تعالى عنهما فجعل يضمهما ويقبلهما، فقالا له نشتهي نسمع أذانك الذي كنت تؤذن لرسول الله صلى الله عليه وسلم في المسجد، ففعل، فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذي كان يقف فيه، فلما أن قال الله أكبر الله أكبر ارتجت المدينة، فلما أن قال أشهد أن لا إله إلا الله، ازداد رجتها، فلما أن قال أشهد أن محمدا رسول الله خرجت العواتق من خدورهن وقالوا أبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فما رأى يوما أكثر باكيا ولا باكية بالمدينة بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم من ذلك اليوم. رواه ابن عساكر وقال التقي السبكي إسناده جيد

فرمایا کرتے تھے کہ یہ حدیث آثار السنن جلد۲ کے اخیر میں بھی ہے اور ابن عساکر کا حوالہ دیا ہے اور تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کی سند جید ہے، اور اس کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ میں بھی لیا ہے

اور لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال بن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمے میں بھی لکھا ہے۔

ماحصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال شام کے علاقے میں ایک رات سو رہے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خواب میں تشریف لائے کہ اے بلال تم نے کیا جفاکاری کی کہ تم میری زیارت نہیں کرتے، پس حضرت بلال جاگے گھبرا کر اپنی اونٹنی پر مدینہ شریف کا رخ کیا، جب مدینہ تشریف لائے روضۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے تو سلام عرض کیا تو حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ملے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دونوں سے معانقہ فرمایا، اور دونوں کو بدن سے چمٹایا اور پیار کیا، ان دونوں نے فرمایا کہ ہم آپ کی اذان سننا چاہتے ہیں، تو نماز کے وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان کہی جب اللہ اکبر اللہ اکبر فرمایا تو تمام مدینہ کانپنے لگا، جب اشہد ان لا الہ الا اللہ فرمایا تو اور زیادہ کانپنے لگا اور جب آپ نے اشہد ان محمد رسول اللہ فرمایا تو تمام مدینہ میں چیخ و پکار پڑ گئی، کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے۔

☆☆☆

مکتوب حبشہ (افریقہ)

از عدیس ابابا حبشہ (ایتھوپیا)

بنام مولانا محمد انوری صاحب

یـارب صـل وسـلـم دائـمـا ابـدا
عـلـی حبیبک خیر الـخـلـق کـلـهـم

بزرگوارم جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پروردگار ذوالجلال سے قوی امید ہے کہ جناب کی طبیعت باعافیت ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ بزرگوں کی شفقت کا سایہ تادیر ہم پر سلامت رکھے آمین۔ تمام وقت آپ کی صحت عاجلہ مستمرہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں، ہم آپ کی دعاء سے روانہ ہوکر کچھ دن رائے ونڈ اور کچھ دن میوات میں گذار کر بخیریت کراچی پہنچے، قانون اور ضابطے کی تمام مشکلات درپیش تھیں جس کو سورت یاسین کا روزانہ ختم اور صلاۃ الحاجۃ سے حل کرایا گیا جس کی تفصیل ان شاء اللہ خود حاضر خدمت ہوکر عرض کریں گے۔

بہرحال پاسپورٹ کرنسی سعودعرب کا ویزہ پچاس سال عمر کا مسئلہ اور سفینہ حجاج میں سیٹوں کا ملنا، پھر ایک آدمی کا مسئلہ نہیں بلکہ عشرہ انفار کا مسئلہ اللہ پاک کے نام کی برکت سے نہ ہونے والے کام بھی ہوگئے، سفینہ حجاج پر سوار ہوکر حاجیوں میں خوب محنت کرتے ہوئے اذانوں اور جماعتوں تعلیموں

اور گشتیوں اور ذکر اذکار کی خوب پابندی، تہجد کا اہتمام اللہ کی توفیق سے کرتے ہوئے بخیریت جدہ شریف پہنچے، جدہ میں مولانا سعید خان صاحب حضرت فریدی صاحب اور بھائی سردار صاحب ودیگر حضرات موجود تھے، مشورہ سے طے پایا کہ چونکہ حاجی حضرات کا حکومت نے پہلے مدینہ منورہ جانا طے کیا ہے اس لئے ان حاجیوں ہی میں کام کرتے ہوئے پہلے مدینہ پاک میں روضہ مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل کی جائے، بذریعہ بس مدینہ الرسول کو روانگی ہوئی۔ نماز عصر مسجد نبوی میں ادا کی گئی اس کے بعد شوق ور جذبے کے ساتھ، عجائی شرمندگی اور ندامت کی سی کیفیت میں ڈوبے ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے بارگاہ رسالت میں ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کیا گیا۔ امسال حاضری چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے مسجد نبوی کے باہر تمام راستے اور گلیوں تک نمازیوں سے بھر جاتے تھے، مدینہ پاک میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب اور دیگر بزرگوں اور علماء کرام کی خدمت میں بھی دعاؤں کے لئے حاضری ہوئی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی ہندوستان سے تشریف لائے ہوئے تھے، ان کی خدمت میں بھی دعا کے لئے حاضر ہوئے، ان ایام میں افریقہ، انگلینڈ، ترکی، مراکش، امریکہ، افغانستان، ہندوستان، ایران، سوڈان، شام، مصر، حبشہ، فرانس، زیکوسلاویکیہ، انڈونیشیا، ملائشیا، فلپائن، الجزائر، سالی لینڈ ودیگر کئی ملکوں سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے زائرین آئے ہوئے تھے، مسجد نبوی میں صبح ناشتہ کے بعد روزانہ ایک یا دو ملکوں کے اجتماع ہوتے، اور ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ختم نبوت والی محنت کی طرف متوجہ کیا جاتا۔

بحمد اللہ جماعات بہت کامیاب ہوئے، بہت سارے ملکوں کے لوگوں نے اس مبارک کام سے بہت ہی کافی تعارف بنایا، مختلف ملکوں کے یعنی حبشہ سوڈان الجزائر اور نائیجیریا اور ملک کے علماء اور عوام میں سے بڑے لوگوں کو زیادہ قریب پایا، بہت متاثر ہوئے اپنے اپنے ملک میں کام کرنے اور جماعتوں کی نصرت کے ارادے کئے۔ ایک جماعت انگلینڈ سے بائیس نفر کی، سٹیشن ویگن کاروں کے ذریعہ روڈ پہنچی، اور دیگر تبلیغی کام کرنے والے بذریعہ ہوائی جہاز آئے، اس بائیس آدمیوں کی جماعت نے واپسی پر درمیان میں پڑنے والے ملکوں میں کام کرتے ہوئے جانے کا ارادہ فرمایا، الحمد للہ عجیب فضا بنی ہوئی تھی، حضرت مولانا سعید اللہ صاحب انڈیا سے بھی تشریف لائے ہوئے تھے، جناب گرامی قدر کا ہدیہ صلاۃ وسلام بارگاہ نبوت میں بعد ادب پیش کر دیا گیا، اگر جناب ارشاد فرمائیں تو واپسی پر دوبارہ حاضری نصیب ہونے پر جناب کی طرف سے ہدیہ سلام پیش خدمت رسالت مآب کیا جائے، ہماری جماعت چھ نفری کی حضرت مولانا جمیل احمد کی معیت میں چل رہی ہے جو کہ پہلے ایک سال حبشہ جا چکے ہیں بھائی سردار احمد صاحب پاک پوری سے ملاقات ہوئی بخیریت ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتے ہیں، قریباً دس یوم کے بعد مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو واپسی ہوئی حج کے ایام قریب تھے، بیت اللہ پر حاضری ہوئی۔

انوار و برکات کی بارش ہو رہی تھی، حج کا سفر بہت اچھا گذرا دعا

فرمائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

بذریعہ بحری جہاز مورخہ ۶۹/۳/۱۹ کو ہماری جماعت جدہ سے حبشہ روانہ ہوئی دو دن ایک رات کے بعد ہم حبشہ کی بندرگاہ "مصوع" پر اترے، وہاں سے بذریعہ ریل کار بہت اونچے اونچے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے حبشہ کے بہت بڑے خوبصورت شہر اسمرا پہنچے۔ وہاں پر جامع عبد القادر میں کچھ یوم قیام کیا، وہاں سے پھر غریب محلوں کی مسجدوں میں غرباء میں کام شروع کیا، بڑی محبت سے دین اور موت کے بعد آنے والی زندگی کی بات خوب جم کر سنتے ہیں، صبح کی نماز کے بعد اشراق تک اور مغرب کی نماز کے بعد عشاء تک اجتماعی ذکر بالجہر کرتے ہیں، تقریباً ہر مسجد میں یہی معمول ہے، غربت اور سادگی بہت زیادہ ہے۔ کچھ دن یہاں گذار کر اب ہماری جماعت بذریعہ بس سفر کرتی ہوئی قریہ قریہ آخرت کی آواز اور حضور ﷺ کی دینی زندگی کی طرف متوجہ کرتی ہوئی عدیس ابابا پہنچی، یہ بھی بہت بڑا مرکزی شہر ہے، راستہ میں حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مبارک بھی ایک بستی میں آئی، مزار بنا ہوا ہے قریباً پندرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبور بھی یہاں بیان کی جاتی ہیں بہت سکون تھا، فاتحہ پڑھی گئی اور دعائیں مانگی گئیں۔

شاہ حبشہ حضرت نجاشی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے، سب سے پہلی ہجرت صحابہ کرام کی اسی ملک میں ہوئی اور حضرت مائی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں پڑھا گیا اور خوب ہدیئے اور خوشبو وغیرہ دے کر رخ

موجودہ ڈاکٹر کے مائی صاحب کی رخصتی بھی یہیں سے ہوئی، اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی بھی اسی ملک سے نسبت ہے، آپ کی دعاؤں کی برکت سے ساتھی ذکر خوب پابندی سے کرتے ہیں اور تلاوت قرآن پاک بھی خوب ہوتی ہے راتوں کو ختم کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے، ساتھیوں کا آپس میں خوب جوڑ ہے، موسم سرد خشک ہے، رات کو لحاف کے اندر سوتے ہیں، پانی کی قلت سے علاقہ خوب سرسبز ہے سوائے پہاڑوں کے میدانی علاقہ بہت ہی کم ہے، لکڑی بہت زیادہ ہے مٹی بہت کم ہے، کئی جگہ تو مٹی کم ہونے کی وجہ سے چادروں سے گوبر سے مکانات باہر سے لیپے ہوئے ہیں، سبزیوں میں ٹماٹر، آلو، مرغی سستی ہے، اس انڈے ایک ڈالر کے بیس پچیس ملتے ہیں، ایک ڈالر پونے دو ریال سعودی کا ہے، مویشی کثرت سے ہیں دنبہ یا بکرا چھ سات سیر وزن کا پانچ چھ روپے میں مل جاتا ہے۔ بڑے شہروں میں کاروبار تو یمن کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے یا ہندوستان کے ہندوؤں کے ہاتھ میں۔

الحمدللہ یہاں کے علماء اور مشائخ کی خدمت میں بھی حاضری ہو رہی ہے مل کر بہت خوش ہوتے اور بہت شفقت فرماتے ہیں، ان تمام شہروں میں ''صنعاء'' بہت خوبصورت شہر ہے، سنا ہے کہ یہاں ملکہ بلقیس کا پایہ تخت تھا، جس کی وجہ سے شہرت تھی، امید ہے کہ ان شاء اللہ ایک مہینہ کے قریب واپسی تک اور وقت اور لگے گا اس کے بعد واپسی کا معاملہ ان شاء اللہ تعالیٰ ہوگی، کچھ روز حرمین شریفین میں لگا کر براستہ ریاض کویت سے جہاز پر سوار ہو کر ان شاء اللہ کراچی پہنچیں گے، آپ سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ بھی

خصوصی دعاؤں میں ہم نالائقوں کو یاد رکھیں، اللہ پاک ہمارے اللہ کے راستے میں نکلنے کو قبول فرما کر ہماری اصلاح اور تمام عالم کے لئے ہدایت اور رشد کے فیصلے فرما دیں۔ آمین۔

مکرر عرض ہے کہ مراسلہ نگار کو شاید یہ یاد نہیں رہا یہ بات غلام یاسین صاحب سے جو پہلے جماعت ہو آئے ہیں کئی بار ذکر کی کہ علاقہ سمرا شہر میں مولانا صالح کا مزار ہے ایک وہاں کے مولوی صاحب نے مزار کی زیارت کرائی اور بتایا کہ مولانا محمد صالح دس سال دارالعلوم دیوبند پڑھتے رہے ہیں حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حدیث پڑھی اور کئی سال حضرت کی خدمت میں رہ کر دین میں کچھ حاصل کیا، غلام یاسین صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ مولانا محمد صالح کے وارثوں کے پاس دو سندات بھی ہیں، جو حضرت شاہ صاحب نے ان کو اپنے ہاتھ مبارک سے لکھ کر دی تھیں۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی لکھی ہوئی سند جو حضرت شاہ صاحب کو دی تھی وہ بھی ان کے پاس تھی۔ (یعنی مولانا محمد صالح کے پاس) اور حضرت مولانا محمد صالح صاحب ـــ جو پہلے شافعی المذہب تھے حنفی المذہب ہو گئے پھر اپنے وطن واپس آ کر اپنے ملک میں اس مذہب کی تبلیغ کی کوئی تین میل کا علاقہ بتایا محمد یاسین صاحب نے ہے جہاں شافعی المذہب ختم ہو گئے ہیں، وہاں اس مذہب کے مدرسے بھی ہیں، مولانا محمد صالح صاحب نے یہ بھی کیا کہ علماء دیوبند کا جبہ اور کرتا یہ بھی وہاں رائج کیا۔

وہ لوگ دیوبند کے ساتھ بے حد عقیدت رکھتے ہیں تمام حنفی

مذہب کی پڑھائی جاتی ہیں اب بھی وہاں ایسے مدارس موجود ہیں مولانا محمد صالح صاحب کا تو وصال ہو گیا لیکن ان کے شاگردوں اور وارثین کی کوشش سے مدرسہ اب بھی جاری ہیں مولانا محمد صالح صاحب کے وصال کو بیس پچیس سال ہو چکے۔

☆☆☆

حضرت شاہ صاحب کشمیری فرمایا کرتے تھے کہ حدیث شریف میں مثال ما ان قلت کی، جو مختصر المعانی اور مطول میں آیا ہے، ما ان حملتکم ہے، بخاری ص: ۹۹۳ ج ۲۔

☆☆☆

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اتیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رهط من الأشعريين استحمله۔ الحدیث، من تعوذ باللہ من درک الشقاء وسوء القضاء، وقوله قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق معلوم ہوا اچھی بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آنا اس کا کیا مطلب ہوا۔ بخاری ص ۹۷۹ جلد ۲۔

☆ قادیانی نے بہاول پور کے مقدمے میں اعتراض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کو کیوں نہ قتل کر دیا

حضرت شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ جج صاحب لکھیے کہ ابن صیاد نابالغ تھا، نابالغ کو شریعت میں قتل نہیں کیا جاتا، یا یہودیوں کے ساتھ معاہدے کے، چنانچہ آپ نے بخاری شریف کی عبارت پڑھ کر سنائی، مولانا احمد علی صاحب مرحوم حاشیہ۱۲ میں ص ۹۷۹ جلد ۲ پر لکھتے ہیں لأنه كان غير بالغ

☆☆☆

"بیرحاء" فيه وجوه، بفتح الموحدة والراء وسكون التحتية بينهما وبالمهملة مقصوراً، (كرماني) بخاری ص ۹۹۲ ج ۲۔

☆☆☆

مولانا محفوظ علی صاحب سناتے تھے حضرت شاہ صاحب کے وصال پر مئی ۱۹۳۳ء میں جب میں دیوبند حاضر ہوا تو مولانا محفوظ علی صاحب مرحوم(۱) سناتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے بتایا کہ اپنی کسن سے تو کہدے کہ اپنی بچی کے پاؤں سے پازیبیں نکال دے، میں اس کو برداشت نہیں کرسکتا، شاید کہ وہ بچی (حضرت شاہ صاحب کی بچی چھ سال کی تھی) میں نے عرض کیا کہ یہ چھ سال کی تو بچی ہے اور پازیبوں میں باجا کچھ نہیں ہے۔ ابوداود جلد ثانی

---

(۱) اصل کتاب میں اس واقعے میں نام اسی طرح مذکور ہیں، مگر بظاہر اس میں ناموں کو ذکر کرنے میں کوئی خطا معلوم ہوتی ہے۔ مصحح

ص ۲۲۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی میں ہے قال علی بن سهل ابن الزبیر اخبره ان مولاة لهم ذهبت بابن الزبیر إلی عمر بن الخطاب في رجلها اجراس، فقطعها عمر ثم قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم ان مع کل جرس شیطانا

حضرت شاہ صاحب کا تقاضا دیکھئے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تو وہ پازیبیں نکالی تھیں جس میں باجا تھا، مگر حضرت شاہ صاحب بغیر باجے کی پازیبوں سے بھی بچتے رہے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ یہ جو مشہور ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے یعنی روزوں کی قرقی نہ ہوگی یہ بات غلط ہے۔ مسلم شریف میں ایک حدیث آئی ہے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ روزے بھی قرق ہوں گے وہ حدیث یہ ہے ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتدرون ما المفلس؟ قالوا المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع، فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیامة بصلاة وصیام وزكاة، ویاتی قد شتم هذا وقذف هذا، واكل مال هذا، وسفک دم هذا وضرب هذا، فیعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته، فان فنیت حسناته قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار (مسلم شریف جلد ثانی ص: ۳۲۰ مطبوعہ دہلی)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کی طرح روزے بھی کاٹے جائیں گے جس نے یہ مطلب لیا ہے کہ روزے نہیں کاٹے جائیں گے وہ غلط سمجھا۔

حضرت شاہ صاحب کی، ایک اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی بڑی عمدہ تقریر (صیام کے متعلق) تھی جو کسی زمانے میں مہاجر میں چھپی تھی، فیض الباری میں بھی اس کی تعریف کی گئی ہے ہمارے پاس یہ تقریر محفوظ تھی، مگر افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامے میں وہ راستے کوٹ ہی رہ گئی۔

فرمایا کہ ایک مرزائی قادیانی مجھے کہنے لگا کہ شاہ صاحب ہمارا بھی اس قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ لکھا ہے ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه

میں نے اس کے جواب میں فوراً کہا کہ ہمارا بھی اسی قرآن پر ایمان ہے جس میں یہ ہے ومن اظلم ممن افتری علی الله كذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیه شیء، یہ سن کر وہ ایسا ساکت ہوا کہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک دفعہ یوں فرمایا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح ابن مریم کی حقیقت معلوم نہیں تھی لہٰذا یہ حقیقت مجھ پر کھلی، پس میں مسیح ابن مریم ہوں، میں نے کہا کہ دجال کی حقیقت بھی مرزا صاحب پر کھلی لہٰذا وہ دجال ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصیدہ معراجیہ

از حضرت خاتم المحدثین مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری

قدس سرہ العزیز

تبارک من اسری وعلا بعبده

إلى المسجد الأقصى إلى الأفق الأعلى

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات مسجد اقصیٰ تک اور افق اعلیٰ تک سیر کرائی اور بلند مقام تک لے گیا۔

(فتح الباری جلد ۷ مصری ص ۱۳۶) وفي حديث ابن عباس رضي الله عنهما عند احمد فلما أتى النبي صلى الله عليه وسلم المسجد الأقصى قام يصلي، فإذا النبيون اجمعون يصلون معه

إلى سبع أطباق إلى سدرة كذا

إلى رفرف أبهى إلى منزلة أخرى

ساتوں آسمانوں تک اور سدرۃ المنتہیٰ تک، ایسے ہی سیر کرائی خوبصورت رفرف تک اور منزلۂ اخریٰ تک۔

وسوى له من حفلة ملكية

ليشهد من آيات نعمة الكبرى

اور فرشتوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی تاکہ آپ مشاہدہ کریں باری تعالیٰ کی نعمت الکبریٰ کی آیات کا

(زرقانی جلد ۶ شرح مواهب اللدنية مصری ص ۵)

في حديث ابي سعيد عند البيهقي في ذكر الأنبياء إلى باب من أبواب السماء الدنيا يقال له باب الحفظة، وعليه ملك يقال له إسماعيل تحت يده اثنا عشر ألف ملك

وفي حديث جعفر بن محمد عند البيهقي أيضا يسكن الهواء لم يصعد إلى السماء قط ولم يهبط إلى الأرض قط إلا يوم مات النبي صلى الله عليه وسلم وفي حديث ابي سعيد عند البيهقي في الدلائل وبين يديه سبعون ألف ملك مع كل ملك جنده مائة ألف. (فتح الباری ج ۷ ص ۴۵) وفي رواية لابي سعيد في شرف المصطفى أنه أتي بالمعراج من جنة الفردوس وانه منضد باللؤلؤ وعن يمينه ملائكة وعن يساره ملائكة

براق يباري خطوه مد طرفه

أتيح له واختير في ذلك المسرى

ایسا براق کہ اس کا قدم برابر تھا جہاں پر اس کی نظر جاتی تھی۔ آپ کیلئے مقدر کیا گیا اور اس سیرگاہ میں پسند کیا گیا۔

وابدى له طي الزمان فعاقه

ويبدا هي الأحوال حتاه ما أجرى

اور زمانے کا چکر آپ کے لئے ظاہر ہو چکا اس کی رفتار کو روک دیا
تھوڑی دیر کے لئے اپنے چکر سے حتیٰ کہ دور ختم ہو چکا۔

وكانت لجبريل الأمين سفارة

إلى قاب قوسين استوى ثم ما اقتفى

اور حضرت جبرئیل سفیر تھے قاب قوسین تک ٹھہر گئے پھر آگے تک
نہیں گئے۔

بخاری شریف (جلد ثانی ص ۱۱۲۰) ثم علا به فوق ذلك بما لايعلمه إلا الله حتى جاء سدرة المنتهى ودنا للجبار رب العزة فتدلى حتى كان منه قاب قوسين أو أدنى، فأوحى الله إليه فيما أوحى الله خمسين، أي صلاة، على امتك كل يوم وليلة، ثم هبط حتى بلغ موسى فاحتبسه موسى فقال يا محمد، ماذا عهد إليك ربك؟ قال عهد إلي خمسين صلاة

إذا خلف السبع الطباق وراءه

وصار فهي أولى لرتبه المولى

جب ساتوں آسمانوں کو آپ نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا
اور آپ نے پایا جو کچھ آپ کے رتبے کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ

اور ہزار ہا پیغمبر تھے، سب کے سب موسیٰ علیہ السلام کے متبع تھے انہیں کی شریعت کے متبع تھے، وآتینا عیسی بن مریم اور مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ظاہرہ باہرہ دیئے کہ مادر زاد اندھے کو اچھا کرتے تھے اور کوڑھی کو چنگا کرتے تھے مردے کو زندہ کرنا عطا فرمایا۔ یہ سب کچھ بحکم خداوندی ہوتا تھا، جو کچھ صبح شام کھا کر آتے تھے جو گھروں میں چھپاتے تھے سب معجزانہ طور پر آپ بتا دیتے تھے، آپ کو بنا باپ پیدا فرما دیا۔ آسمان پر معجزانہ طور پر تشریف لے گئے اس زمانہ کی سائنس اور طب مقابلہ نہ کر سکی نہ اب ہی سائنس یہاں تک ترقی کر سکی ہے، لیکن سائنس والے بھی اس کے امکان کے قائل ہو گئے۔

وقد قيل ان المعجزات تقدم

بما يرتقي فيه الخليقة في المدى

آپ کا نام ہی روح رکھا روح کی سبک سیر (سریع رفتار) کا کس نے اندازہ لگایا ہے روح نام ہے یا تو جبرئیل علیہ السلام کا کہ ہر وقت ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کے اثر سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس اسم مبارک ہی کی تاثیر ہو کہ آسمان کو ذکر تشریف لے گئے فرمایا گیا وروح منه "شہادۃ القرآن"، "عقیدۃ الاسلام" اور "تحیۃ الاسلام"، "سیف چشتیائی" بڑی عمدہ کتابیں اس میں تصنیف ہوئی ہیں، فجزاهم الله خير الجزاء۔ ایشوع اصل ہے عیسیٰ کی، اس کے معنی ہیں مبارک، اور مریم بھی عبرانی لفظ ہے اس کے معنی ہے خادمہ یا عابدہ۔ حضور صلی اللہ

علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے سینے میں روح القدس پھونک مارتا ہے ان نفسا
لن تموت حتی تستکمل رزقھا کہ کوئی جاندار نہیں مرتا جب تک
کہ رزق پورا نہیں کر لیتا، اور حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی روح
القدس تائید کرتے تھے۔

فمنہا کذبتم وفریقا تقتلون، مثلاً زکریا علیہ السلام حضرت
یحییٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
پر بھی کئی بار حملہ قاتلانہ کیا، خیبر میں چکی کا پاٹ اوپر سے پھینک دیا، اسی زہر کا
اثر وفات میں ظاہر ہوا چنانچہ ''الشہادتین'' میں تفصیل سے مذکور ہے۔
یعنی اتنے متعصب ہیں کہ سچی بات سنتے ہی نہیں، تعصب حق کے
معنی یہ ہیں کہ دین حق کو قوت سے پکڑے اور کسی کے فریب میں نہ آجائے،
اور دھوکہ بھی نہ کرے یہ بات تمام دینوں میں مطلوب ہے۔

☆ فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب
نے فرمایا کہ ہمارے ساتھیوں میں سے کسی صاحب نے انگریزی پڑھی تھی،
میرے استاد نے کہا تھا کہ تو نے چھ مہینے میں اتنی انگریزی پڑھ لی جتنی کوئی
دوسرا کئی سال میں پڑھے۔ ایک گریجویٹ کے برابر تو حضرت نے انگریزی
پڑھی تھی، آج کل کے بی۔ اے۔ ایم۔ اے سے زیادہ انگریزی کے واقف تھے
مگر اس کو پسند نہیں فرماتے تھے۔
ایک دفعہ ڈابھیل ضلع سورت سے برہان پور جو کہ وطن تھا حضرت کی

متقی کا جو ص حب کنز العمال وغیرہ ہیں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت کا سن
کر بہت سی مستورات آئیں تو حضرت نے خادم سے فرمایا کہ صحن کا دروازہ
بند کر دو کسی عورت کو مت آنے دو اور خود حسبنا اللہ پڑھتے رہے۔

☆ احقر محمد اکمل پوری عرض کرتا ہے کہ ۹۵ء میں جب والد
صاحب کا انتقال ٹنڈو اللہ یار سندھ میں ہوا تو میں وہاں گیا جس مکان میں
میں ٹھہرا تھا اس مکان کے قریب مسجد تھی، وہاں حضرت مولانا عبید الرحمن
صاحب کامل پوری اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تشریف
لائے، غالباً حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی بھی تھے باتیں ہو رہی
تھیں، مولانا محمد یوسف صاحب نے سنایا کہ مولانا ابو الوفاء افغانی فرماتے
تھے کہ جب حضرت شاہ صاحب حیدر آباد دکن تشریف لائے تو میں نے بھی
گذارش کی کہ میری دعوت قبول فرمائیں، حضرت نے قبول فرما لیا، دوسرے
دن ایک مجمع کے ساتھ میرے مکان پر تشریف لائے ہم نے کھانا تو فقط بیس
آدمیوں کا بنایا تھا وہاں کھانے پر جمع ہو گئے اسی (۸۰) سے بھی زائد آدمی،
حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اللہ توکل آپ کھانا لے آؤ اللہ تعالیٰ برکت
فرمائیں گے، واقعی یہ حضرت شاہ صاحب کی کرامت تھی کہ کھانا اسی سے زائد
آدمی کھا گئے پھر بھی کھانا بچ رہا۔ خود حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ حیدر
آباد دکن میں میری سترہ تقریریں ہوئیں اور بہت سے مرزائی تائب ہوئے
اور بہت سے لوگوں کے شبہات دور ہوئے۔

☆ ایک دفعہ بہاولپور سے واپسی پر میرے عرض کرنے پر بہت طویل تقریر وحی کے اقسام پر فرمائی تھی جس کو ہم نے دارالعلوم میں شائع بھی کیا تھا۔

بعض روایات کے الفاظ سے ظاہر میں حضرات شبہات میں پڑ جاتے ہیں کہ قسم استیقظت الفاظ آتے ہیں۔ بخاری شریف میں آتا ہے أتی بالمنذر بن أبی أسید إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین ولد، فوضعہ علی فخذہ وأبو أسید جالس، فلهی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بشیء بین یدیہ فأخذ أبو أسید ابنہ فاحتمل من فخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فاستفاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال أین الصبی؟ تو اس روایت میں استفاق کا یہ مطلب نہیں کہ غشی سے ہوش میں آگئے بلکہ اسی پہلی حالت کی طرف عود فرمایا، فاستفاق ای فرغ من اشتغالہ۔

☆ فصل الخطاب طبع ہونے کے بعد ۱۳۴۸ھ کی دورے کی ساری جماعت کو بلایا اور سب کو ایک ایک نسخہ اپنے دست مبارک سے عنایت فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کاتب کے کچھ اغلاط رہ گئے ہیں جن کی تصحیح نہیں ہو سکی۔

☆ حضرت شاہ صاحب کے درس میں بیٹھنے کے بعد طبیعت

کہیں نہیں جچتی خواہ کتنا ہی علامہ کیوں نہ ہو۔ کچھ ایسی برکات انوارات مجلس کی ہوتی تھیں کہ وقت محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جس بات کا حوالہ دیتے کتاب کھول کر حسبنا اللہ پڑھ کر فوراً انگلی اسی جگہ پر رکھتے تھے جہاں سے عبارات پڑھنا مقصود ہوتا تھا۔ کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا کہ ایک دو ورق الٹ پلٹ کرنے پڑتے تھے ورنہ وہی صفحہ نکلتا تھا حوالہ پڑھ کر سناتے کسی کتاب کا حوالہ محض نام لے کر نہیں دیا، بلکہ عبارت پڑھ کر سناتے، لکھنے والے صفحہ دیکھ کر لکھ لیتے تھے یہ جو حوالہ نکالنے میں تخلف ہوتا ہے تقطیع جدا جدا ہونے کے باعث سے یا مطابع کے اختلاف سے ہوتا ہے۔ ورنہ حضرت شاہ صاحب کے ہاں کتاب دیکھ کر حوالہ پڑھ کر آگے چلتے تھے۔ بعض دفعہ جس کتاب میں سے حضرت پڑھتے تھے مصر یا لندن کا مطبوعہ ہوتی تھی۔ ہندوستان کی مطبوعات کے صفحات میں فرق ہوتا ہے علماء گھبرا جاتے ہیں کہ حوالہ نہیں ملتا، محنت کرنے سے کیا نہیں انسان کو ملتا۔

☆ حضرت خواجہ محمد معصوم اپنے مکتوبات شریفہ میں فرماتے ہیں ﴿من یرد اللہ أن یهدیہ یشرح صدرہ للإسلام، ومن یرد أن یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کأنما یصعد فی السماء﴾ "صراط مستقیم" کے ترجمہ میں اس آیت مبارکہ کو پیش فرماتے تھے، پس ہم نے جو شرح صدر دینی مسائل میں حضرت شاہ صاحب کو دیکھی کسی کو نہیں پایا، ہر مسئلہ میں بڑے ہی بسط کے ساتھ اور شرح صدر کے ساتھ چلتے

تھے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

☆ ایک دفعہ مالیر کوٹلہ میں تشریف لائے مولانا عبد الغنی صاحب جو مالیر کوٹلہ میں رہتے تھے وہ خود جا کر حضرت شاہ صاحب کو لائے، بندہ بھی رائے کوٹ سے مالیر کوٹلہ میں حضرت کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو مجھے تنہائی میں ایک بات کہی کہ یہ بات مولانا محمد رمضان صاحب مرحوم سے لدھیانہ جا کر کہہ دینا میں نے اسی پر عمل کیا، بہت سی راز کی باتیں احقر کو کان میں فرما دیتے تھے۔

مالیر کوٹلہ کے اسی سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے بعد عشاء ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی بہت مجمع علماء کا تھا، اس میں مولانا شبیر احمد صاحب مولانا بدر عالم صاحب اور بہت سے علماء موجود تھے فرمایا کہ یہ جو آپ حضرات نے بجلی کی روشنی کر رکھی ہے اتنی کی ضرورت نہیں فقط اتنا چاندنا چاہیے کہ جس سے آدمی کتاب پڑھ سکے۔ باقی تو اسراف ہے، (غالباً یہی الفاظ تھے)۔

☆ ایک دفعہ وہیں بہاول پوری نے میرے دریافت کرنے پر کہا لاہور میں ۱۹۲۸ء میں دسمبر کے مہینے میں السنہ شرقیہ کا جلسہ ہوا پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت اس کی صدارت ڈاکٹر اقبال مرحوم کر رہے تھے، ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبے میں پڑھا کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب نے

مجھے علامہ عراقی کا ایک فارسی رسالہ دیا جس میں یہ تحقیق کیا تھا کہ علامہ عراقی نے زمان اور مکان کی تحقیق فرمائی ہے، میں نے پوچھا یہ کون عراقی ہیں تو فرمایا یہی جو محدث مشہور ہیں ان کی کتاب کا نام ہے "غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان" یہ علامہ عراقی بڑے محقق گذرے ہیں۔ پھر وہ رسالہ ایک مدت کے بعد میں نے ڈاکٹر سے واپس طلب کیا، تو ڈاکٹر نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے کھو گیا، پھر ہم نے مطالبہ نہیں کیا کہ ایک مسلمان کے بیان کو جھوٹا نہیں سمجھنا چاہیے۔

فائدہ

نیوٹن نے بھی اس نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جو یورپ میں مشہور تھا کہ نیوٹن ہی اس امر کی تحقیق کرنے والا ہے ڈاکٹر مرحوم نے جب مضامین یورپ کے اخبارات میں دیے تو شور ہو گیا کہ نیوٹن نے تو علامہ عراقی سے لے کر یہ تحقیق لکھی ہے اس کی اپنی تحقیق نہیں ہے بلکہ عراقی اس سے چھ سو سال پہلے تحقیق کر چکے ہیں۔

☆ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حافظ شیرازی کی غزلیں تو ایسی ہیں کہ ان میں شراب کباب کا ذکر ہے، تو پھر حافظ شیرازی کو عارف کیوں کہتے ہیں فرمایا کہ حافظ شیرازی نے کشاف کا حاشیہ لکھا ہے میں نے سورہ کہف تک دیکھا ہے بہت اعلیٰ حاشیہ ہے وہ طبع نہیں ہوا۔ حافظ کی غزلیں بہت بلند پایہ ہیں ہر شخص ان کو سمجھنے کا اہل نہیں ہے، باری تعالیٰ آوارہ

لوگوں سے ایسے بلند کام نہیں لیتا، جب انہوں نے تفسیر کشاف کا حاشیہ لکھا ہے تو بے دلی کے الفاظ نہیں کہنے چاہیے آپ توبہ کرو استغفار کرو۔ جب مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں ضلع میانوالی اور حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کا باہمی تنازع طویل اور پیچیدہ ہو گیا اور حضرت شاہ صاحب کو دیوبند سے دعوت دی گئی، یہ جنوری ۱۹۲۷ء کا واقعہ ہے میانوالی کے اسٹیشن پر انسانوں کا ایک سمندر موجیں مار رہا تھا، زائرین ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے، اتنے بڑے مجمع کا نظم قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا، جلسہ گاہ میں پہنچے ایک ہندو نے اپنے کوٹھے کی چھت پر سے حضرت کو دیکھ لیا، فوراً کود کر زمین پر آیا مجمع کو چیرتا ہوا آیا، اور حضرت کے پاؤں میں گر پڑا کہ یہ بزرگ مسلمانوں کے پیغمبر کا نمونہ ہیں یہ کہا اور ایمان لے آیا، ایسے واقعات حضرت کی حیات مبارکہ میں کثیر ہیں۔

یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع سرگودھے والوں نے بھی جب کہ لائلپور آپ تشریف لائے تھے احقر سے ملنے کے لئے تو انہوں نے بھی سنایا تھا۔ یہ حضرت مفتی صاحب خلیفہ تھے حضرت مولانا محمد خان صاحب کندیاں والوں کے یہ اس واقعہ میں خود موجود تھے۔ جب مفتی صاحب مجھے سنا رہے تھے تو اس وقت بہت سے آدمی ان کے ساتھ تھے، منجملہ ان کے حاجی قائم الدین لائلپوری بھی تھے۔

☆ جب حضرت مولانا محمد صاحب مونگیری (بہار) نے

قادیانیوں کے خلاف ایک بڑا اجتماع کیا وہ تمام حضرات دیوبند تشریف لے گئے، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب فرماتے ہیں کہ اس اجتماع میں حضرت شاہ صاحب مولانا محمد انور صاحب بھی تشریف لے گئے تھے جب سب حضرات اسٹیج پر بیٹھے تھے تو ایک برہمن جو خود بھی بہت بڑا وِدوان تھا حضرت شاہ صاحب کو دیکھ کر مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ آپ کے چہرے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسلمانوں کے بہت بڑے وِدوان ہیں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں تو ایک طالب علم ہوں، پھر اس برہمن کو حضرت شاہ صاحب سے عشق ہو گیا وہ تمام جلسے میں ساتھ ہی رہا ہم بھی حیران تھے کہ اس کو کیوں اتنا تعلق ہے یہ واقعہ حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے بہاولپور کے مقدمے کے اجتماع پر بھی سنایا تھا۔

☆ مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کے امداد کے سلسلے میں رنگون تشریف لے گئے وہاں کے اہل خیر نے مدرسہ کی خوب امداد فرمائی، اور حضرت کے مواعظ حسنہ سے مستفیض ہوئے۔ واپس ڈابھیل تشریف لا کر تمام مدرسین کی دعوت کی، پر تکلف کھانا کھلایا اور ہر مدرس کو ایک ایک رومال رنگونی اور دس دس روپے عنایت فرمائے، مولانا احمد بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مہتمم مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل ضلع سورت جب تنخواہ لے کر حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا اہل رنگون نے حقیر کی بہت خدمت کر دی تھی یہ تنخواہ آپ واپس لے جائیں۔

☆ حضرت مولانا محمد سعید صاحب مرحوم دہلی سے بعض دفعہ علمی اشکالات دریافت کرنے دیوبند حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب جواب دینے کے لئے تیار ہی بیٹھے تھے۔

☆ مولانا خیر محمد صاحب مولانا خیر الدین سرسوی مرحوم مولانا غوث محمد صاحب مولانا عبد الجبار صاحب مولانا محمد صدیق صاحب وغیرہم یہ سب حضرات احقر سے مالیر کوٹلہ میں کہنے لگے کہ حضرت شاہ صاحب کا صبح کو فجر کی نماز کے بعد درس کرا دو تو عرض کریں سلیک غطفانی کا واقعہ یعنی جمعہ کی ادا کرنے کا، جس حدیث میں واقعہ مذکور ہے اس حدیث کے متعلق تحقیق کرنا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ یہ حضرات علماء چاہتے ہیں کہ حضرت کا درس سنیں، فرمایا بہت اچھا لیکن میں حدیث باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دوں گا، اور خود ہی تلاوت کروں گا کہ ہمارے مشائخ کا یہی معمول رہا ہے، چنانچہ سینکڑوں علماء جمع ہو گئے مولانا مفتی خلیل صاحب بھی بیٹھے تھے مولانا عبد الحی صاحب بخاری شریف سامنے کہ میں بھی حضرت کا تلمیذ بننا چاہتا ہوں، حضرت نے ان کو بخاری شریف شروع کرا دی، اور درس حدیث دیا، علماء حیران تھے علوم کے دریا بہہ رہے تھے ایک سکتہ کا عالم تھا پھر سلیک غطفانی کا واقعہ بھی ذکر فرمایا کہ علماء کی تسلی ہو گئی۔ مولانا عبد الجبار مرحوم فرماتے تھے کہ امام بخاری ایسا درس دیتے ہوں گے، مولانا خیر محمد

صاحب فرمانے لگے کہ علم تو حضرت شاہ صاحب کے سینے سے اچھل، اچھل کر باہر آتا ہے افسوس کہ ہم تو دیوبند جا نہ سکے دور ہی سے چھینٹے پڑے حضرت کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا، مولانا خیر الدین مرحوم حضرت کو سنا رہے تھے کہ جب آپ مدرسہ امینیہ میں تھے تو میری ابتداء تھی اور حضرت دہلی سے کشمیر جا رہے تھے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والنجم اذا ہوی آیات سے شروع کیا۔ اس لئے کہ ما بعد کا کلام آسمانی کی خبر اور اسراء کے متعلق ہے سماوات العلی تک بلکہ سدرۃ المنتہی تک یہاں تک کہ فرمایا ان ہو الا وحی یوحی، یہ خلاصہ ہے ان آیات کا اور یوحی بکسر الحاء کو مبہم رکھا کیوں کہ اس کا انحصار اللہ تعالی ہی میں ہے، اور وحی رسالت ہی میں ہے اور ذکر کرنا ان اوصاف کا جو کسی موصوف میں ہی منحصر ہوتے ہیں اس موصوف کا نام لینے سے زیادہ ابلغ ہوتا ہے، مثلاً قول ان کا مررت باکرم القوم پھر فرمایا علمہ شدید القوی، پس منتقل ہوئے معلم کی طرف موحی کے ذکر کے بعد اور ان کو دو شمار کیا، موحی اور معلم، پھر اوصاف وہ ذکر کئے جو معلم ہی کے ہو سکتے ہیں، کیوں کہ کلام مکہ والوں کے ساتھ ہے اور مکہ والے جبرئیل علیہ السلام کو پہچانتے نہ تھے۔ پس اس کی صفت اور فعل ذکر فرمائے جیسے سورت تکویر میں ہے تو یہ تعدیل ہوئی وحی کی سند کی، کیونکہ جب کہا جائے کہ یاتیہ الملک تو جی میں کھٹکتا ہے کہ آنے

کی کیا صورت ہے؟ لہذا فرمایا کہ وہ قادر ہے اس پر اور وہ "سویؐ" مبارک
ہے "ذو مرہ" ہے اس جیسے سے خبر ہی کا ایناس ہے اور وہ نزدیک ہوتا ہے
اور وہ لٹک آتا ہے، لہذا اس کے اوصاف ذکر فرما دیئے۔

ابن قیم علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ذو مرۃ یعنی جمیل المنظر حسن الصورۃ
ہے، جلالت شان والا ہے، اچھی صورت والا شیطان نہیں ہے بلکہ وہ اجمل
الخلق ہے اور وہ امانت ومکانت والا ہے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی وحی
نبوت کی تعدیل اور اس کا تزکیہ ہے جیسے اس کی نظیر سورۃ تکویر میں ہے بیان
فرمایا کہ وہ علم قدرت وال جمال، منظر ہے یہ اوصاف رسول ملکی اور بشری
دونوں کے ہیں۔

قولہ فتدلی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ آپ مکان سے
تجاوز نہیں کیا یہاں تعلق بھی قائم رہا جیسے پھل کی تدلی ہوتی ہے کہ تعلق بھی باقی
رہتا ہے اور نیچے بھی لٹک آتا ہے جیسے سور عظیم مسلط ہی سحر ہوتا
ہے کہ چھوٹے سوراخ سے داخل ہو جائے اس کو ناظر یوں سمجھتا ہے کہ اس کا
تعلق اوپر سے منقطع نہیں ہوا گویا یہ تمثیل اس کی ہوئی جو جبریل امین کی بشری
شکل میں نمودار ہونے کی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی ذکر کرنا بے موقع نہ ہوگا
جیسا کہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف
چڑھے فاوحی الی عبدہ ما اوحی تو جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کو
دنو رب محسوس ہوا تو آپ سجدے میں گرے پس سبحان رب الجبروت
والملکوت والعظمۃ کہتے ہی رہے، حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو وحی

کرنا تھا وہ کر لی، پھر جبرئیل علیہ السلام نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا کہ آپ
اپنی اسی خلقت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ ان کو پیدا کیا گیا ہے کہ اپنے پر ملائے
ہوئے ہیں، (یاقوت اور زبرجد اور لولو کے) میں نے خیال کیا کہ جبرئیل کی
دو آنکھوں کے درمیان کے فاصلے نے دونوں آفاق کو گھیر لیا ہے، حالانکہ اس
سے پہلے میں ان کو مختلف صورتوں میں دیکھتا تھا، اور اکثر دحیہ بن خلیفہ کلبی کی
شکل میں دیکھا کرتا تھا، اور بعض اوقات ایسے جیسے کوئی کسی کو چھلنی میں سے
دیکھے۔

قولہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی، اس میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی
طرف لوٹتی ہے، تفسیر طبری میں ہے فاوحی اللہ الی ما اوحی اس کے
قریب قریب مسلم شریف میں ہے، اور یہ کوئی انتشار فی الضمائر نہیں کیوں کہ
یہ وصف اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے، اور رسول تو موحی ہو نہیں سکتا، بلکہ مرسل ہی
موحی ہے۔ جیسے کہ فرمایا گیا او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء
یہاں بھی متعاطفات نہیں بلکہ ایک سلسلہ مرتب ہے بعض بعض سے ملا ہوا ہے
جس کی انتہا الی اللہ ہے، یہ خلاصہ ہے مضمون کا جیسے کہ ان ھو الا وحی
یوحی میں احتیاف ہوا باعادۃ ما استونف عنہ چنانچہ اھدنا الصراط
المستقیم صراط الذین انعمت علیھم میں۔

پھر فرمایا ما کذب الفواد ما رای، اس کو ما قبل سے جدا کر دیا
اور عطف نہیں ڈالا کیوں کہ یہ شامل ہے رؤیت باری تعالیٰ کو فواد سے اور
رؤیت جبرئیل کو اصلی صورت، یہ دونوں قبل الاسرا حاصل تھے۔ اور یہ شامل ہے

ان تمام اشیاء کو جو لیلۃ الاسراء میں دیکھیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں لقد رأی من آیاته ربه الکبری اور بنی اسرائیل میں فرمایا لنریه من آیتنا وہاں یہ بھی فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی أریناک إلا فتنة للناس سو فتنہ ممارات ہی کا نام ہے جیسے سورہ نجم میں فرمایا افتمارونه علی مایری، پس قول ما کذب الفواد ما رای ای ما کذب الفواد عبدنا ما رأی ای هذا العبد یا تو فواد سے یا آنکھوں سے، اور کذب متعدی ہے دو مفعولوں کی طرف جیسے ان کا قول صدقت فلانا الحدیث و کذبته احتمال ایک مفعول پر مقتصر ہونے کا بھی ہے یعنی ما قال کذبا ای هذه المقولة، بل قال ما وقع بعد عیانا فی الاسراء بالنسبة الی رؤیة الله تعالی.

اور یہاں پر رؤیت فواد کا ہونا اور مابعد میں رؤیت بصرہ کا ہونا یہ کوئی نظم قرآنی میں انفکاک کا باعث نہیں بلکہ رؤیت امر واحد ہے اور فرق جو آتا ہے وہ فاعل کی جانب سے آتا ہے، آثار صحیحہ اور احادیث صحیحہ سے دونوں رؤیتیں ثابت ہیں، رؤیت اللہ تعالیٰ کی پہلی فواد سے اور ثانی بصر سے جیسے حدیث بعثت میں ہے کہ واقعہ ہونے سے قبل اس کا رؤیا میں دکھا دیا جانا آتا ہے۔

پھر فرمایا افتمارونه علی ما یری، اور نہ کہا فیما یری اس نے دلالت کی کہ یہاں اور رؤیت بھی ہے اس کو کلی نے ذکر فرمایا، اور علی مایری فرمایا نہ فرمایا فیما یری کیونکہ ان کو نفس رؤیۃ باری تعالیٰ میں جھگڑا تھا نہ کہ خصوصا مرئی میں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو دفعہ دیکھا۔ ایک دفعہ آنکھ سے دوسری مرتبہ فواد سے، رواہ طبرانی فی الاوسط، رجالہ رجال الصحیح۔ مسند داری میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرح صدر فرمایا پھر جبریل نے فرمایا قلب وکیع له اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان، وکیع یعنی متین شدید یعنی مضبوط۔

پھر فرمایا ولقد رآه نزلة اخری یہ بھی دونوں رؤیتوں کو شامل ہے لیکن رؤیت جبریل یہ تو ظاہر ہی ہے لیکن باری تعالیٰ کی رؤیت سو اس کے قرب کے باعث ہوئی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے یطلع الله علی اهل الجنة فیقول هل رضیتم؟ عند سدرة المنتهی اس کا تعلق رائی سے ہے نہ کہ مرئی سے جیسا طبری نے فرمایا۔ جیسے رایت الهلال من المسجد.

قوله: اذ یغشی السدرة ما یغشی یعنی انوار و تجلیات۔ نسائی شریف میں ہے ثم أتیت سدرة المنتهی فغشتنی ضبابة فخررت له ساجدا، اور یہی ظلل من الغمام ہے۔ پھر فرمایا ما زاغ البصر وما طغی، اس میں تصریح فرمائی کہ یقظہ میں ہوا، پھر خلاصہ بیان فرمایا: لقد رأی من آیات ربه الکبری. یہ بھی عام ہے جو کچھ وہاں دیکھا سب کو شامل ہے، حدیث ابی ذر میں ہے رایت نورا اور نورانی اراہ اس کے معنی ایک ہی ہیں ای هو نور من این رایته. اور مروزی نے بھی امام احمد سے پوچھا تو حدیث مرفوع ہی جواب میں کہی۔ رایت ربی پھر مسند کی

حدیث میں ہے روایت ربی عز و جل اس کی سند قوی ہے۔

☆......ایک مولانا شریف اللہ صاحب کابل کے تھے حضرت رائے پوری شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ وہ مقبولین میں سے تھے، انہوں نے بڑی لمبی عمر پائی ہے وہ اکیلے نماز پڑھتے تھے ننگے بدن رہتے تھے، فقط تہ بند رکھتے تھے، دارالحدیث دیوبند کی بنیادیں جب بھری جارہی تھیں وہ اس میں بھی شامل تھے، پھر شیخ الہند اپنے پاس لے آئے، دیوبند کے بڑے جلسے میں بھی موجود تھے، جو ۱۳۳۰ھ میں ہوا۔ وہ رائپور بھی آتے تھے اور اکثر دیوبند رہتے تھے، حضرت شاہ صاحب سے اس بات میں گفتگو کی کہ مسجد میں صفیں بچھانا یہ ثابت ہے یا نہیں، مولانا شریف اللہ صاحب اس کو بدعت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے حدیثیں پیش کیں تو خاموش ہو گئے، حضرت شاہ صاحب نے منع فرمادیا تھا کہ کوئی ان سے نہ الجھے۔ فرمایا یہ صاحب حال ہیں ان کو مت چھیڑو۔

وہ فرماتے تھے کہ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ یعنی جس آدمی نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب سے بڑھ کر کوئی بھی اس کا مطلب نہیں سمجھا سکتا۔ اس لئے وہ حضرت کے بڑے گرویدہ تھے، ہمارے زمانے میں بھی دیوبند تشریف لائے تھے، جب حضرت شیخ الہند مالٹا سے واپس دیوبند تشریف لائے تھے۔

قرآن عزیز اس کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو نہیں دیکھتا۔ ڈاکٹر محمد اقبال فرماتے ہیں:

ہے آہ سحرگاہی تقویم خودی مشکل
یہ لالہ پیکانی خوشتر ہے کنار جو

لالہ پیکانی کہا آنکھوں کو جیسا گل لالہ میں سیاہ داغ ہوتا ہے، ایسی ہی آنکھوں میں سیاہی ہوتی ہے پیکاں سے مراد پلکیں۔ خوشتر ہے کنارے جو سے مراد رونا ہے یعنی آنکھ میں کمال یہ ہے کہ روتی ہی رہے خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔

فرماتے ہیں:

جب عشق سکھاتا ہے آداب خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

یعنی جب خدا تعالیٰ سے محبت اور عشق ہو جاتا ہے تو پھر عرفان نصیب ہوتا ہے جیسے دوسری جگہ فرماتے ہیں

شام جس کی آشنائے نالہ یارب نہیں
جلوہ پیرا جس کی شب میں اشک کے کوکب نہیں
جس کا ساز دل شکست غم سے ہے نا آشنا
جو سدا مست شراب عیش و عشرت ہی رہا
کلفت غم گرچہ اس کے روز و شب سے دور ہے
زندگی کا راز اس کی آنکھ سے مستور ہے

قرآن شریف میں آتا ہے قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی

بحبیکم اللہ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں روتے تھے، اکثر آنسو ہی بہاتے تھے۔

ایک دفعہ لاہور میں آسٹریلیا مسجد میں وعظ فجر کی نماز کے بعد فرمایا تو امیر خسرو کے یہ اشعار پڑھے۔

جان ز تن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز
قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

تو بہت ہی رقت ہوئی حتیٰ کہ ریش مبارک تر ہوگئی، فرمایا کہ یہ شعر امیر خسرو کے ہیں لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شعر جب آپ کو غسل دیا جارہا تھا اس وقت کہے۔ اس واسطے آپ میں بے نفسی بے حد تھی، کسی کو بھی مدۃ العمر اپنا شاگرد نہیں فرمایا بس رفیق فرماتے تھے، مدۃ العمر کسی کی غیبت کی نہ غیبت سنی والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پر صحیح طور پر عامل تھے۔

☆.....حضرت شاہ صاحب کبھی پاؤں کھول کر نہیں سوئے بلکہ سکڑ کر سوتے تھے جیسا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ بھلا کوئی محبوب کے سامنے اس طرح پاؤں پسار کر بے ادبی کرسکتا ہے۔

حضرت عارف باللہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کابلی فرماتے ہیں کہ ایک تو تعلق باسماء اللہ ہوتا ہے، ایک اسماء اللہ کا تحقق، ایک اسماء اللہ کے ساتھ تخلق، یہ جو آخری ہے یہ بڑا اونچا درجہ ہے۔

ف:۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ آنحضور کے اخلاق مبارکہ بیان فرمایئے تو آپ نے فرمایا کان خلقہ القرآن اسی سے وفور علم حضرت صدیقہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اس ایک جملہ میں سارا تصور سمو دیا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ عملی قرآن پاک تھے، یعنی یہ جو قرآن شریف ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ تو علمی قرآن ہے اور آنحضرت ﷺ عملی قرآن پاک تھے، اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے **تخلقوا باخلاق اللہ**۔

حضرت شاہ صاحب محض مدرس حدیث کے نہیں تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حدیث شریف کے ساتھ تعلق بھی تھا حدیث کا تحقق بھی آپ میں تھا اور آپ کو حدیث کے ساتھ تخلق بھی نصیب تھا یہ بہت بڑی بات ہے، **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**۔

☆.....ایک دفعہ غالباً ۱۹۵۲ء کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب ملتان سے لائل پور تشریف لائے، ایک مکان پر ان کی دعوت چائے تھی احقر بھی مدعو تھا احقر بھی حاضر ہوا، ملاقات پر حضرت شاہ صاحب کی باتیں ہونے لگیں میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب

فرماتے ہیں

قہوہ حمد را فسردہ انور
دار چینی ز نعت پیغمبر

یہ شعر سنتے ہی مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب پھڑک گئے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حمد خدا پوری ہی نہیں ہوتی جب تک نعت رسول نہ کہی جائے۔

تمت بالخیر

والحمد لله أولا وآخرا، وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وآله واصحابه واهل بيته اجمعين.

محمد عطاء اللہ نوری قادری لاکھپوری

۹ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۶۸ء